POSTED ON 17 February 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.
قیمت=/Rs 5

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ کی رضا کے ساتھ خداوند عالم کی خوشنودی وابستہ ہے اور باپ کے غصے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

مسجد فلاح کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیجئے

درسگاہ اسلامی حمیدیہ رادھنہ عنایت پور ایک قدیم تعلیمی ادارہ ہے۔ کھور موانہ روڈ پر آبادی سے باہر لب سڑک واقع ہے۔ درسگاہ کی آراضی کے ایک حصے پر تقریباً پانچ سو نمازیوں کی گنجائش کیلئے ایک مسجد فلاح کی تعمیر کا کام جاری کردیا گیا ہے۔ آٹھ سال قبل اسکا سنگ بنیاد علمائے کرام کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا تھا۔ کمیٹی کے ممبران نے اہل خیر حضرات کے تعاون اور مسلسل کوششوں کے بعد اب اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔ ہماری اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مسجد فلاح کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیں تاکہ اس کی تعمیر مکمل ہوسکے۔ ہمارے یہاں چندہ وصولی کیلئے کوئی سفیر نہیں ہے۔ آپ جو بھی تعاون کرسکتے ہوں درج ذیل ذمہ داران کے ذریعے کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم سے نوازے گا۔ انشاء اللہ۔
چیک یا ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھوائیں: DARSGAH-E-ISLAMI HAMEEDIA, MEERUT

	صدر	سکریٹری	ناظم	خازن
اپیل کنندگان	ڈاکٹر افروز مند خان	ضمیر احمد	احسن مستقیمی	مقیم الدین خان
	9412837617	9837976168	9411022708	2254212

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۱۷ ● ۱۹ر فروری ۲۰۰۹ء ● 19 Feb.2009 ● جمعرات ● ۲۳ر صفر المظفر ۱۴۳۰ھ ● قیمت=/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳ر ریال ● Posting: 17 Feb. 2009 Tuesday

کیا ہولوکاسٹ کے مفروضے کو زبردستی تھوپا جائے گا؟

'ہولوکاسٹ' کا مسئلہ ایک بار پھر یورپ میں موضوع بحث بنا ہے اس بار اس پر سوال کسی دانشور یا مسلم ملک نے نہیں اٹھایا ہے بلکہ رومن کیتھولک بشپ نے اٹھایا ہے جس کی پاداش میں انہیں عہدے سے ہٹا بھی دیا گیا ہے اور بطور مذہبی رہنما زندگی گزارنے پر روک لگا دی گئی ہے۔ 10 فروری کے انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین کی رپورٹ کے مطابق جسے نیوز ایجنسی 'رائٹر' نے جاری کیا ہے، دوسری جنگ عظیم کے دوران گیس چیمبر میں ہولوکاسٹ (یہودیوں کے قتل عام) سے انکار صرف ارجنٹائن سمینری (کیتھولک چرچ) کے سربراہ بشپ رچرڈ ولیم سن نے ہی نہیں کیا ہے بلکہ ان کے ساتھ تین اور قدامت پسند ہیں اور بات صرف ایک دو بار انکار کی نہیں ہے بلکہ یہ لوگ بار بار سرعام اس کا انکار کررہے تھے جو یہودیوں کو ناگوار لگ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے صرف بشپ رچرڈ ہی کی نہیں بلکہ اس معاملے پر ویٹکن کی مسلسل خاموشی پر تنقید کررہے تھے۔ تنازعہ کتنا شدید تھا اور جرمنی میں یہ کس قدر موضوع بحث بنا ہوا تھا کہ وہاں کی چانسلر انجیلا مورکل کو اس معاملے میں مداخلت کرنی پڑی اور بشپ رچرڈ کے خلاف کارروائی کے لیے ویٹکن پر دباؤ ڈالنا پڑا۔ بتایا جاتا ہے کہ جرمن چانسلر نے سرعام بشپ رچرڈ پر بھی تنقید کی اور انہیں پناہ دینے کے لیے ویٹکن پر بھی۔ بعد میں اس مسئلے پر پوپ بینڈکٹ سے ٹیلی فون پر بات چیت کی جس کے بعد فوراً ہی بشپ رچرڈ سے مذکورہ عہدہ چھین لیا گیا اور روم میں چرچ کے اہلکاروں نے خود کو رچرڈ ولیم کے نظریات سے علیحدہ کرتے ہوئے یہ صفائی بھی پیش کی کہ میڈیا میں معاملہ موضوع بحث بننے کے باوجود پوپ ذاتی طور پر اس بات سے آگاہ نہیں تھے کہ ولیم بار بار ہولوکاسٹ سے انکار کررہے تھے۔

اس معاملے میں جرمن چانسلر نے ویٹکن پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ بشپ کے خلاف کارروائی میں تاخیر کے ذریعے یہ تاثر پیدا کر رہا ہے کہ ہولوکاسٹ کے انکار کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔ اب ویٹکن کی طرف سے ایک بیان میں یہ کہا گیا ہے کہ بشپ رچرڈ ولیم سن کے بطور مذہبی رہنما زندگی گزارنے پر اس وقت تک پابندی عائد رہے گی جب تک وہ بالکل واضح طور پر اور برسرعام اپنے بیان کے غلط ہونے کا اعتراف نہ کریں۔ اس طرح یہ معاملہ ختم ہوگیا اور ویٹکن کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ویٹکن نے بشپ کے خلاف کارروائی کرکے ہولوکاسٹ کے مفروضہ پر اپنی مہر لگا دی ہے اور وہ اس بحث میں نہیں الجھا کہ ہولوکاسٹ واقعی ایک حقیقت ہے یا صرف مفروضہ۔ تاہم ولیم سن جو برطانوی نژاد ہیں، اب بھی موقف پر قائم ہیں۔ انہوں نے جرمن میگزین 'Spiegel' کو دیے گئے ایک انٹرویو میں صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ہولوکاسٹ کی تکذیب کے لیے معافی پر غور کرنے سے قبل تاریخی حقائق کا جائزہ لیں گے۔ اس طرح گزشتہ ماہ سویڈش ٹیلی ویژن کے ذریعہ انہوں نے ہولوکاسٹ کی حقیقت پر جو سوال اٹھایا تھا اس کی پاداش میں عہدہ سے برطرفی کے باوجود وہ اب بھی نہ صرف اپنے موقف پر قائم ہیں بلکہ مصر ہیں۔

ہولوکاسٹ ایک ایسا مفروضہ ہے جو روز اول سے پوری دنیا میں موضوع بحث بنا ہوا ہے، صرف یہودی اور وہ مغربی ممالک ہی اسے حقیقت مانتے ہیں جو اس کی تلافی کے لیے مشرق وسطی میں یہودی ریاست کے قیام کی وکالت کرتے ہیں۔ تاریخی مفروضے سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے حامی اس پر بحث کرنے اور اسے ثابت کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوئے۔ کسی ثبوت کے بغیر ہی ہٹ دھرمی ہی ان کا موقف ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ انہوں نے اسے چنے لیے ایک ایسی دکھتی رگ بنالیا ہے، جس پر کوئی بھی انگلی رکھتا ہے یا سوال کھڑے کرتا ہے تو وہ تلملا جاتے ہیں اور منکر کا منہ دلائل کے ذریعہ نہیں بلکہ بزور قوت بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ بشپ رچرڈ ولیم سن کے ساتھ ہوا۔ اس سے قبل ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے بھی ہولوکاسٹ کو مفروضہ قرار دیتے ہوئے اس پر بحث کے لیے یہودیوں اور مغرب کو چیلنج کیا تھا لیکن اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے آج تک کوئی بھی سامنے نہیں آیا، جو اپنے آپ میں ہولوکاسٹ کے مفروضہ ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ایرانی صدر نے ہولوکاسٹ کے پس منظر میں مشرق وسطی سے صہیونی ریاست کے وجود کے جواز پر سوالیہ نشان لگایا تھا جس سے پورے یورپ اور اسرائیل میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی تھی اور ایرانی صدر پر خوب تنقید ہوئی تھی۔ بشپ ولیم سن کی طرح وہ کارروائی تو کرا نہیں سکتے تھے اس لیے انہوں نے تنقید ہی تک اپنے آپ کو محدود رکھا۔

غرضیکہ بار بار ہولوکاسٹ پر سوالات کھڑے کیے جاتے ہیں اور ان کا کوئی منطقی جواب نہیں دیا جاتا۔ آخر یورپ کیا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کیا وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ ہولوکاسٹ کا مفروضہ بھی اس کے لیے مذہبی عقیدے کی طرح ہے، جس پر سوال کھڑا کرنے کی اجازت نہ تو کسی کو حاصل ہے اور نہ ہی مغرب سوالات کا جواب دینے کا پابند ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ واقعہ بھی زیادہ پرانا نہیں ہے، دوسری جنگ عظیم کا ہے۔ اس دور کے بہت سے لوگ ابھی بھی دنیا میں زندہ ہیں۔ ان سے واقعہ کی تصدیق وتکذیب کرائی جاسکتی ہے۔ ایسے حالات میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ مغرب ہولوکاسٹ کے نظریے کا خود تو پابند ہوسکتا ہے لیکن دوسرے پر تھوپ نہیں سکتا۔ اس پر سوالات کھڑے کیے جاتے رہیں اور یہودی تلملاتے رہیں گے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جس ہولوکاسٹ کو کسی نے نہیں دیکھا اس کو تو یورپ اتنی سنجیدگی سے لیتا ہے اور فلسطین میں حال ہی میں اسرائیل نے جس بربریت، سفاکیت اور حیوانیت کا مظاہرہ کیا جسے فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی نے اصلی ہولوکاسٹ سے تعبیر کیا ہے اس پر مغرب نے کوئی واویلا نہیں مچایا اور اسرائیل کے خلاف کارروائی کی مانگ نہیں کی۔ اس طرح اسی نے دوہری پالیسی کا ثبوت دیا مفروضے پر ہنگامہ اور حقیقت پر خاموشی آخر کیا ہے؟ (ص ن)

خبر ونظر

ناگپور کے نعرے

حال ہی میں بی جے پی نے ناگپور میں اپنے اعلیٰ سطحی اجلاس میں آئندہ پارلیمانی انتخابات کے طریقوں پر غور کیا۔ کچھ فیصلوں کا اعلان کیا کچھ پوشیدہ رکھے۔ میڈیا میں جو بات زور شور کے ساتھ آئی وہ رام مندر کی تعمیر سے متعلق تھی۔ مسٹر آڈوانی نے کہا "ہم نے رام کو نہیں چھوڑا"۔ راج ناتھ بولے "اجودھیا میں شاندار رام مندر ضرور بنے گا"۔ بحیثیت مجموعی پارٹی نے ناگپور سے یہ پیغام عام کیا کہ اگر آئندہ انتخابات میں وہ ایک بار پھر برسر اقتدار آگئی تو رام مندر یقیناً تعمیر کرے گی لیکن ساتھ ہی دبی زبان میں عوام کے سامنے یہ شرط بھی رکھی کہ اس کے لیے اسے این ڈی اے سے چھٹکارا دلانا ہوگا۔ اپنے پچھلے اقتدار میں وہ مندر اس لیے نہ بنا سکی کہ این ڈی اے میں شامل بعض پارٹیوں نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔ ناگپور کے اس اجلاس میں بی جے پی کی زبان سے ایک، ایسا نعرہ بھی سنا گیا جو اس کی نئی نسل کے لیے اجنبی تھا۔ وہ تھا گاندھی جی کے سیاسی اور سماجی فلسفے سے وابستگی کا اظہار۔ لیکن یہ پارٹی "گاندھیائی سوشلزم" کا نعرہ بیس سال پہلے بھی لگا چکی ہے جواب صرف پرانے ہی لوگوں کو یاد ہے۔ بھارتیہ جن سنگھ نے 1980 میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا نام اختیار کرنے کے بعد سے اپنے نعرے کئی بار بدلے ہیں۔

یہ حالت پہلے کبھی نہیں ہوئی

لیکن انتخابی سیاست میں آج اس کی جو حالت ہے۔ پہلے کبھی نہیں تھی۔ اس لیے کہ اس کی تمام پالیسیوں اور پروگرام کو اس کی سب سے بڑی "حریف" کانگریس نے اپنا لیا ہے۔ بی جے پی ملک میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ کرنا چاہتی تھی اور اس وقت چاہتی تھی جب یہاں نہرو اور اندرا کے دور میں سوویت یونین کا پسندیدہ سوشلسٹ نظام اپنے عروج پر تھا اور امریکہ کا سرمایہ دارانہ نظام ایک گالی سمجھا جاتا تھا۔ مگر کانگریس نے اس نظام کو اس طرح اپنا لیا کہ بی جے پی کے پاس کچھ نہیں رہ گیا۔ بی جے پی امریکہ کے ساتھ گہری دوستی چاہتی تھی، کانگریس نے اس سے زیادہ گہری دوستی کرلی۔ بھارتیہ جن سنگھ پاکستان کے مشرقی حصے کو علیحدہ کرنا چاہتا تھا، کانگریس کی حکومت نے فوج کشی کرکے اس کا یہ ارمان پورا کردیا۔ لیکن اس طرح کہ سارا کریڈٹ خود لے لیا۔ 1980 کی دہائی میں کچھ سکھ گروپوں کی سرگرمیوں اور آنند پور صاحب قرارداد کو بنیاد بنا کر سکھ برادری کے خلاف ماحول بی جے پی نے تیار کیا تھا جس سے فائدہ اندرا گاندھی کی سرکار نے اٹھایا۔ چنانچہ 1984 میں جب امرتسر کے دربار صاحب پر فوج کشی کی گئی تو اس کارروائی کو ماحول کی تائید حاصل تھی۔ پھر اسی سال اندرا گاندھی کے سانحہ قتل کے بعد انتخابات ہوئے تو کانگریس کو چار سو نشستیں ملیں اور بی جے پی کو صرف دو۔

ان حقائق کے تناظر میں

ان حقائق کے تناظر میں بی جے پی اگر رام مندر کا مسئلہ اٹھا رہی ہے تو کیا ضمانت ہے اس بات کی کہ یہ ہتھیار اس کے پاس رہے گا اور کانگریس اس سے چھین نہیں لے گی؟ ویسے تو اجودھیا کے رام مندر کے مسئلہ کی ہوا نکل چکی ہے اور بی جے پی اس مسئلہ پر عوامی مذاق کا موضوع بن چکی ہے۔ لیکن اگر وہ اسے اپنے آخری حربے کے طور پر استعمال کرتی ہے تو عین ممکن ہے کہ کانگریس اس سے یہ ہتھیار بھی چھین لے۔ اس صورت میں کانگریس کہہ سکتی ہے کہ "رام مندر" کا تالا 1986 میں اس نے کھلوایا تھا، شیلا نیاس اس نے کروایا تھا، 6 دسمبر 1992 کی رات منہدم شدہ مسجد کی جگہ مورتیوں کی دوبارہ استھاپنا اسی کی انتظامیہ کی زیر سرپرستی ہوئی تھی جب کلیان سنگھ مستعفی ہوکر انتظامیہ چھوڑ چکے تھے۔ لہٰذا رام مندر کی بات کرنے کا سب سے زیادہ حق اسی کو ہے۔ کیا بی جے پی کو احساس نہیں کہ اس کا ایک اور ہتھیار وزیر داخلہ چدمبرم یہ کہہ کر اس سے چھین چکے ہیں کہ "ملک میں بنگلہ دیشیوں کی موجودگی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔" بی جے پی سے "دہشت گردی" کا ہتھیار تو کانگریس نے اس طرح چھینا ہے کہ اس سے آگے بی جے پی کے لیے بس یہ مطالبہ رہ گیا ہے کہ پاکستان کو نیوکلیائی بم کے ذریعہ تباہ کردیا جائے۔ بہرحال رام مندر کے مسئلہ پر اب بی جے پی کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ (پ ر)

"افغانستان کا مشن زیادہ مشکل ہے"

امریکی صدر باراک اوباما نے افغانستان اور پاکستان کے امور ومعاملات پر نظر رکھنے، صدر کو ان سے آگاہ رکھنے اور صلاح ومشورے دینے کے لیے ایک سفارت کار مسٹر رچرڈ ہال بروک کو متعین کیا ہے انہوں نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں اور اپنے مشن کا آغاز کردیا ہے۔ حال ہی میں انہوں نے پاکستان اور افغانستان کا تفصیلی دورہ کیا ہے اور پاکستانی حکام کے علاوہ افغان صدر سے بات چیت کی ہے، اس طرح انہوں نے حالات کا مشاہداتی جائزہ لیا اور اس کو سمجھنے کی کوششیں شروع کردی ہیں، انہوں نے اپنا پہلا جو تبصرہ کیا ہے اس سے اس کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ مرحلہ ان کے لیے آسان نہیں ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ افغانستان عراق سے زیادہ کٹھن ہے۔ یہ بڑا صبر آزما کام ہے اس لیے نتائج کے جلد برآمد ہونے کی امید نہیں کی جانی چاہیے۔ یہاں مشکلات اور رکاوٹیں بہت زیادہ ہیں، اس کے لیے طویل عرصے تک جدوجہد کی ضرورت ہے، یہ مشن حد درجہ پیچیدہ بھی ہے اس کی بے شمار تہیں ہیں۔ جب تک ان تمام تہوں کو کھولا نہیں جاتا اس وقت تک مسئلہ کے تسلی وتشفی بخش حل کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں طالبان کی مزاحمت پر قابو پانے میں کافی وقت لگ سکتا ہے۔ افغانستان میں کامیابی پانا عراق سے زیادہ مشکل کام ہے۔ واضح رہے کہ مسٹر ہال بروک اپنے پہلے دورے میں چار دن پاکستان میں رہے، اسی دوران دنیا میں بڑے بڑے واقعات ہوئے، خود پاکستان کے اندر حالات نے کئی کروٹیں بدلیں، جس نے ان کے مشن کو براہ راست اور بالواسطہ ہر دو طریقے سے متعارف کرایا اور ان کے کام کو مزید مشکل بنادیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ بوسنیا نہیں ہے۔ واضح رہے کہ مسٹر رچرڈ ہالبروک کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے یوگوسلاویہ کی شکست وریخت کے بعد پیدا شدہ پیچیدہ صورت حال اور تنازعہ کو حل کرایا تھا اور ڈے ٹن معاہدہ انہی کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

یاد رہے کہ امریکی دور کے عالمی ایجنڈے میں افغانستان اور پاکستان کو کلیدی اہمیت اس لیے حاصل ہے کیوں کہ ان کے خیال میں دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے جب تک یہاں امن وامان قائم نہ ہوجائے۔ ان کے خیال میں افغانستان دہشت گردی کا اڈہ ہے اور یہیں سے دہشت گردی پوری دنیا میں پھیل رہی ہے۔ طالبان اس کا سرچشمہ ہیں، اس لیے ان کی تمام تر توجہ افغانستان پر مرکوز ہوگی۔ پاکستان اس لیے توجہ کا مستحق ٹھہرتا ہے کیوں کہ یہ نہ صرف افغانستان کا ہمسایہ ہے بلکہ افغانستان کی جڑیں پاکستان سے ملتی ہیں۔ یعنی دہشت گردی کی جڑیں یہاں موجود ہیں۔ سابقہ امریکی حکومت کے دور میں بھی اس کی اس اہمیت کے پیش نظر پاکستان کو اہمیت دی گئی تھی اور اسے فرنٹل اسٹیٹ کی حیثیت حاصل تھی، اس کی ایک اسٹریٹجک اہمیت یہ بھی ہے کہ افغانستان تک رسائی کے لیے امریکہ کو جس راہداری کی ضرورت تھی وہ پاکستان سے ہوکر گزرتی تھی اور وہ پاکستان ہی فراہم کرسکتا تھا۔ روس سے افغانستان پہنچنا ان حالات میں ممکن نہیں تھا کیوں کہ امریکہ نے روس کو افغانستان سے نکالا تھا، اس میں بھی پاکستان ہی امریکہ کا حلیف بنا تھا اس لیے روس سے مدد حاصل کرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ایران کے سلسلے میں بھی اس طرح کی پالیسی نہیں بنائی جاسکتی تھی، ایران سے تو امریکہ کے سفارتی تعلقات بھی بحال نہیں ہوئے ہیں۔ لہٰذا ایران سے یہ کہنا عبث ہے کہ وہ افغانستان میں 'امن وامان' بحال کرنے میں امریکہ کی مدد کرے۔ لے دے کر پاکستان ہی رہ جاتا ہے، پاکستان کے راستے افغانستان تک جنگی ساز وسامان اور رسد پہنچانا آسان بھی تھا لیکن اب وہ دن بہ دن دشوار تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ کیونکہ یہ گزرگاہ اب اتنی محفوظ نہیں رہ گئی ہے جتنی سمجھی جارہی تھی یا جس کی ضرورت تھی، مشکلات میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

مسٹر ہال بروک کو اس کا احساس پہلے سے ہے۔ ظاہر ہے جب انہیں اس کام کے لیے نامزد کیا گیا تھا اس وقت سے انہوں نے اس کی تیاری شروع کردی ہوگی اور حالات کا جائزہ ومطالعہ شروع کردیا ہوگا لہٰذا انہوں نے میونخ میں عالمی سیکورٹی کانفرنس کے دوران ہی یہ اعلان کردیا تھا کہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی اتنا پیچیدہ مسئلہ نہیں دیکھا جس کا اتحادی افواج کو افغانستان میں سامنا ہے۔ انہوں نے اس پر بھی زور دیا کہ افغانستان کے مسئلے کے حل کے لیے اس کے پڑوسی ممالک خصوصاً پاکستان کو بھی شریک کرنا انتہائی ضروری ہے۔ یہ ان کے حالات اتنے پیچیدہ اور تہہ دار ہیں کہ حل ہونے کے بجائے الجھتے چلے جارہے ہیں حالانکہ گزشتہ پانچ چھ برسوں میں نہ جانے کتنے اعلیٰ سطحی وفود پاکستان اور افغانستان کا دورہ کرچکے ہیں۔ اعلیٰ فوجی افسران تو پاکستان اور افغانستان کا دورہ اس طرح کرتے ہیں جیسے گھر آنگن کی بات ہو۔ امریکہ نے پہلے ہی اعلان کردیا ہے کہ وہ یہاں اپنی فوج کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، وہ عراق کے محاذ سے اپنی فوج ہٹا کر تمام تر توجہ افغانستان پر مرکوز کرنا چاہتا ہے، امریکہ نے اپنی ساری طاقت یہاں جھونک دی ہے، جتنے بڑے پیمانے پر اس نے اپنی جنگی قوت یہاں استعمال کی ہے اس کی دوسری مثال مشکل سے ملے گی، افغانستان کو اس طرح تباہ وبرباد کردیا گیا (باقی صفحہ ۶ پر)

بلاتبصرہ

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر بی جے پی کو کیا ہوگیا کہ وہ مندر سے آگے بڑھنا کیوں نہیں چاہتی؟ اگر پارٹی سمجھتی ہے کہ ایک بار پھر مندر کا جھنجھنا بجا کر وہ اقتدار حاصل کرلے گی تو یہ اس کی خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہندوستان کی ہندو آبادی اتنی بھی بے وقوف نہیں ہے کہ ترقی کو نظر انداز کر کے "مندر مندر" کا راگ الاپتی پھرے۔

انوپ آکاش ورما، نئی دہلی
ہندوستان، 14 فروری 2009

حب الوطنی کے نام پر دہشت گردی کا گھناؤنا مظاہرہ

بھارت میں جب سے بم دھماکوں کے ذریعہ دہشت گردی کا سلسلہ شروع ہوا ہے روز اول ہی سے اس کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا رہا ہے۔ پولیس اپنی آنکھوں پر خاص رنگ کا چشمہ لگا کر جس تعصب و جانبداری کا مظاہرہ مسلم مخالف فسادات کے دوران شروع سے ہی کرتی رہی ہے۔ فسادات کی جگہ بم دھماکوں کے ذریعہ قتل عام کے عمل میں وہ اسی چشمہ کو زیادہ شدت کے ساتھ اور زیادہ محفوظ انداز میں استعمال کر رہی ہے۔ اس نے کبھی اصل مجرموں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کے بارے میں سوچا تک نہیں جب کہ وہ نہ صرف نعرہ بازیوں، بیان بازیوں، دھمکیوں، جلسوں، جلوسوں، ریلیوں، اسلحہ کی تقسیم اور نمائش کے ذریعے کھلے عام دہشت گردی کا مظاہرہ مستقل طور پر اور تسلسل سے کررہے ہیں بلکہ ہتھیار چلانے وان کے استعمال کی ٹریننگ بھی دے اور لے رہے ہیں۔ ان ہتھیاروں کے استعمال کے اعلانات بھی کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دیتے، اکساتے اور بھڑکاتے بھی ہیں۔ اتنا ہی نہیں پولس اور فوج کے برسرڈیوٹی اور ریٹائرڈ ملازمین و افسران ان کی ٹریننگ بھی دے رہے ہیں یہ سب باتیں نہ صرف انٹلی جنس والوں کو بلکہ تمام پولیس والوں اور میڈیا کے ذریعہ عام آدمی تک کو تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ معلوم ہیں ملک وقوم کے دشمن یہ مجرمانہ ذہنیت کے حامل عناصر پولس والوں کی آنکھوں سے صرف یہ کہ چھپے ہوئے نہیں ہیں بلکہ پولس والوں سے ان کی پوری طرح ساز باز رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات پولس والے بھی ان کے دوش بدوش پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے میں پولیس والوں سے صاف شفاف انداز سے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر کہ جو صاف ذہن پولس ملازمین و افسران انسانیت اور ڈیوٹی کے سلسلہ میں نیک نیتی کے ساتھ اپنے فرائض غیر جانبدارانہ طور پر ادا کرنا چاہتے ہیں ان کی راہوں میں جرائم پیشہ سیاست باز رکاوٹیں کھڑی کردیتے ہیں بلکہ ان کے لیے مسائل بھی پیدا کردیتے ہیں۔ اس طرح ملک میں زندگی کا ہر بااختیار شعبہ دھرم، سیاست، پولس جوڈیشری، کاروبار، تجارت، معیشت اور معاشرت سب اس گھناؤنے عمل میں مصروف ہیں اور سب کچھ دیش بھکتی یعنی قوم طبقہ وفرقہ کی بہی خواہی، دھرم کے تحفظ فروغ اور بقا کے نام پر کیا جارہا ہے۔ کوئی گرم ہندتو کے نام پر سرگرم ہے تو کوئی چہرہ پر مکھوٹا لگا کر نرم ہندو کے نام پر۔ باتیں مانوتا، انسانیت، اخلاق اور شلشتا کی کی جاتی ہیں اور عمل ملک، قوم، طبقہ، فرقہ، انسانیت، دھرم اور اخلاق کی تباہی وبربادی اور ذلت ورسوائی کے انجام دیے جاتے ہیں۔ باتیں امن وسلامتی اور شانتی کی کی جاتی ہیں اور عمل قتل وخونریزی توڑ پھوڑ آتش زنی، لوٹ مار انسانیت کشی دھرم کے استحصال اور اخلاق واقدار کی پامالی کے انجام دیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ان تمام حرکتوں سے صرف افراد، فرقوں اور طبقوں ہی کا نہیں پورے ملک کا نقصان ہوتا ہے جو اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ ان عناصر کے دیش بھکتی کے نعرے کھوکھلے ہیں وہ دیش سے پریم و محبت نہیں کرتے اس کے ساتھ غداری اور دلالی کرتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کا وجود اور اس طرح کی ان کی ذہنیت ملک کے لیے فائدہ بخش نہیں نقصان دہ اور تباہ کن ہے۔ یہ لوگ نعرے ملک کے اتحاد اور سالمیت کے لگاتے ہیں جب کہ عملاً اس کو ٹکڑوں میں بکھیر دینے کے منصوبے بناتے اور کارستانیاں وسازشیں کرتے ہیں۔ ضروری ہے کہ سچے محبان وطن اپنی بےبسی و بے کسی، کمزوری و بےہمتی اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے جرأت و حوصلہ سے کام لیتے ہوئے آئیں اور ملک وقوم کی سالمیت وتحفظ اور بقا وترقی کی خاطر میدان میں آکر ان قابل نفرت عناصر کا مقابلہ کریں۔ ہندو راشٹر کے نام پر اس ملک کو ہزاروں سال پیچھے دھکیل دینے اور گھر گھر کے رجواڑوں میں بانٹ دینے والوں کی تنگ نظری وبدد ماغی کا مقابلہ کرنا ہر محب وطن کا اہم ترین فریضہ ہے جب کہ جانتے بوجھتے ملک کو نقصان پہنچتے دیکھنا اور آنکھ کان ومنہ کو بند کرکے بیٹھے رہنا ناقابل معافی جرم ہے۔ (ع ق)

گودھرا کے ملزمین پر پوٹا نہیں

احمد آباد: گجرات ہائی کورٹ نے گودھرا کے 134 ملزمین پر سے پوٹا ہٹانے سے متعلق سینٹرل پوٹا ریویو کمیٹی کی سفارش کو چیلنج کرنے والی عرضی خارج کردی اور کہا کہ پوٹا ہٹانے کی سفارش صحیح ہے۔ کیونکہ اس بات کے ثبوت نہیں ہیں کہ ٹرین میں آتشزدگی ایک منظم دہشت گردانہ کارروائی تھی۔ بہرحال کورٹ نے عرضی گزار کو سپریم کورٹ میں فیصلہ کو چیلنج کرنے کے لیے دو ہفتے کا وقت دیا ہے اور گودھرا کیس کے سلسلے میں تمام کارروائیوں بشمول ملزمین پر سے پوٹا ہٹانے اور کیس کو پوٹا کورٹ سے سیشن کورٹ میں منتقل کرنے پر روک لگادی ہے۔ واضح رہے کہ اس سے قبل گجرات ہائی کورٹ نے پوٹا ریویو کمیٹی کی سفارش کو ماننے سے انکار کردیا تھا اور ریاستی حکومت کا بھی یہی موقف ہے لیکن سپریم کورٹ کمیٹی کے اختیار اور سفارش کو صحیح ٹھہراتے ہوئے ملزمین پر سے پوٹا ہٹانے، ان کا کیس پوٹا کورٹ سے سیشن کورٹ منتقل کرنے اور ان کی ضمانت کی عرضیوں پر غور کرنے کی ہدایت دی تھی۔ اب سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی گجرات ہائی کورٹ نے اپنا موقف تبدیل کردیا اور گیند پھر سپریم کورٹ کے پالے میں ڈال دی۔

جھگڑو پاکستانی حکومت سے نہ کہ عوام سے

نئی دہلی: مرکزی وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے ممبئی حملوں سے متعلق پاکستان کی تحقیقاتی رپورٹ پر کہا کہ ہندوستان پاکستان کے ساتھ عوامی سطح پر رابطہ اور دونوں ملکوں کے درمیان ٹرین اور بس سروس کو ختم نہیں کرے گا کیونکہ ہم پاکستان کے عوام کے خیرخواہ ہیں اور ان کے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ مسٹر مکھرجی نے پارلیمنٹ میں کہا کہ حکومت ہند نہیں چاہتی کہ دہشت گردی کے وقعات کے نتائج کا باہمی تعلقات پر جو اثر پڑ رہا ہے اس سے پاکستانی عوام پر منفی اثرات مرتب ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مستقبل میں پاکستان کے ساتھ ہمارے تعلقات کیسے رہیں گے یہ اس ملک کی حکومت پر منحصر ہے کہ وہ ممبئی حملوں کے کیس کو منطقی انجام تک پہنچاتا ہے۔

ابوغریب جیل سے قیدی رہا

بغداد: امریکی فوج نے عراق کی بدنام ابو غریب جیل سے 107 عراقی قیدیوں کو رہا کیا ہے۔ عراق کی وزارت انسانی حقوق کے حکام نے اس کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ عراقی حکومت اور امریکہ کے درمیان نومبر میں ہوئے معاہدہ کے تحت امریکی فوج بغیر مقدمات کے گرفتار تمام عراقی قیدیوں کی رہائی کے علاوہ 2011 تک ملک سے مکمل انخلا کی پابند ہوگی۔

کوریائی ملکوں کے تعلقات مزید کشیدہ

شمالی کوریا نے جنوبی کوریا کے ساتھ اپنے تعلقات مزید کشیدہ کرتے ہوئے سمندری سرحد کی ساحل پر توپیں نصب کردیں اور وہاں فوجی ساز وسامان میں 30 فیصد اضافہ کردیا۔ واضح رہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان 2008 میں تعلقات اس وقت خراب ہوگئے جب کنزرویٹیو صدر لی میونگ باک نے اپنے عہدے کا حلف لیا۔

مشرق وسطی میں امن کا باب بند

بیروت: لبنان میں حماس کے نمائندے اسامہ ہمدان نے اسرائیلی کینٹ (پارلیمنٹ) کے حالیہ انتخابات کے نتائج پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ بائیں بازو کی امریکی جماعتوں کی کامیابی سے فلسطینیوں کے ساتھ امن قائم کرنے کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوچکا اور اب خطہ میں امن کا کوئی امکان نہیں ہے۔ تل ابیب میں حکومت کسی بھی پارٹی کی بنے فلسطینیوں کے معاملات پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ قدس پریس سے بات چیت کرتے ہوئے مسٹر ہمدان نے کہا کہ انتخابی نتائج حماس کے لیے باعث حیرت نہیں البتہ ان لوگوں کے لیے باعث حیرت ہے جو دائیں بازو کی انتہا پسند جماعت سے امن معاہدے کی امید کے وہم میں مبتلا تھے۔

نکاح نعمت، طلاق ضرورت

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ضلع نندربار

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت وہمدردی پیدا کردی۔'' (سورۃ الروم:۲۱) نکاح اللہ کی ایک نعمت ہے، جب یہ رشتہ قائم کیا جاتا ہے تو اس میں پائیداری ودوام مقصود ہوتا ہے، اس رشتہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ زوجین کو اولاد کی نعمت سے نوازتا ہے، اور اللہ رب العزت کا یہ فیصلہ کہ دنیا تا قیامِ قیامت آباد رہے، پورا ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے روز قیامت تک بقا کا فیصلہ کیا ہے اور یہ امر سب کو معلوم ہے کہ یہ دنیا اس کے بغیر قائم وباقی نہیں رہ سکتی کہ لوگوں کے درمیان باہم معاملات وتعلقات نہ ہوں جن سے ان کی معاش کے مسائل بیع وشرا اور نکاح وغیرہ حل ہوں پھر ان کی جنس توالد وتناسل سے ہی باقی رہ سکتی ہے۔ (نورالانوار،ص ۱۷۸)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: اللہ رب العزت نے بہت سی حکمتوں، مصلحتوں اور منفعتوں کے پیش نظر نکاح کو جائز قرار دیا، منجملہ ان مصالح وحِکم کے ایک حکمت ومصلحت یہ ہے کہ اس روئے زمین پر نوعِ انسانی، اصلاحِ ارض اور اقامتِ شرائع کے لیے اس کی نائب بن کر قیامت تک باقی رہے اور یہ مصلحتیں اسی وقت متحقق ہوسکتی ہیں جبکہ ان کی بنیاد مضبوط اور مستحکم ستونوں پر ہو اور وہ ہے نکاح۔

ویسے تو نسلِ انسانی کا وجود مرد وعورت کے ملاپ سے ممکن تھا، خواہ وہ ملاپ کسی بھی طرح کا ہوتا، لیکن اس ملاپ سے جو نسل وجود میں آتی وہ اصلاحِ ارض اور اقامتِ شرائع کے لیے موزوں ومناسب نہ ہوتی، نسلِ صالح نکاح سے ہی وجود میں آسکتی ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے: '' فاسد سے فاسد اور باطل سے باطل وجود میں آتا ہے''۔ "ما بني على فاسد أو باطل فهو فاسد وباطل". (موسوعۃ القواعد الفقہیۃ:۹/۴۳۹)

نکاح کے ذریعہ انسان اولاد حاصل کرتا ہے، جب وہ ان کی تعلیم وتربیت کو بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے تو یہی اولاد اس کے لیے دنیوی زندگی میں آنکھوں کی ٹھنڈک، اور اس کے مرنے کے بعد ذکرِ حسن ہوا کرتی ہے، اولاد لطفِ روحانی (Soul enjoyment) اور رونقِ زندگانی (Gaity of life) ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرماتا ہے: ''مال اور اولاد دنیوی زندگی کی رونق ہیں اور باقی رہ جانے والے اعمالِ صالحہ آپ کے پروردگار کے ہاں ثواب کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر۔'' (سورۃ الکہف:۴۶)

انسان کی آنکھ بند ہونے کے بعد یہی اولاد اس کی نام لیوا ہوتی ہے، اور اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں سے اس کو برابر فائدہ پہنچتا رہتا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں ایک نیک اولاد کو بھی ذکر فرمایا۔

نکاح مرد وعورت دونوں میں ملاپ کا بہترین ذریعہ ہے، اور یہی ملاپ عورت میں پائی جانے والی کمی کو پورا کرنے کا سبب بنتا ہے، کیوں کہ ہر کوئی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ عورت پیدائشی طور پر کمزور ہے، مردجن اعمالِ شاقہ (Difficult works) کا متحمل ہے عورت اس کا تحمل نہیں کرسکتی، عورت کو مرد کی ضرورت ہے، تاکہ مرد کسبِ معاش میں اس کا معاون ومددگار، اور اس کی عزت وآبرو کا پاسبان ہو، ٹھیک اسی طرح مرد کو بھی عورت کی ضرورت ہے، تاکہ وہ اس کے مال کی حفاظت وصیانت اور اس کے امورِ خانہ داری کے فرائض کو انجام دے، اور متاعبِ حیات (Troublesome of life) کو اس سے دور کردے، اور مرد کی یہ ضرورت اسی وقت پوری ہوگی جبکہ وہ کسی عورت سے رشتۂ نکاح کو قائم کرے، اسی مقدس رشتے کو قرآن حکیم نے میثاقِ غلیظ سے تعبیر فرمایا: ''اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں۔'' (النساء:۲۱)

نکاح خاندانوں میں اتحاد وارتباط اور اسبابِ بغض وعداوت دور کرنے اور عفت وپاکدامنی کا بہترین ذریعہ ہے۔ (ردالمحتار:۴/۵۸)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں جو نکاح کی استطاعت رکھے اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرلے، کیوں کہ اس نگاہیں نیچی رہتی ہیں، اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔'' (أخرجه الشيخان في صحيحيهما واللفظ لمسلم)

اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملے اور معاہدہ عمر بھر کے لیے ہو، اس کو توڑنے اور ختم کرنے کی نوبت ہی نہ آئے، کیوں کہ اس معاملہ کے ٹوٹنے کا اثر صرف میاں بیوی پر ہی نہیں پڑتا، بلکہ نسل واولاد کی تباہی وبربادی اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک کی نوبت پہنچتی ہے، اور پورا معاشرہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے میاں بیوی کو وہ ہدایتیں دیں، جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ رشتہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ومستحکم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر بیوی کی طرف سے کوئی ایسی صورت پیش آئے جو شوہر کے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو، تو شوہر کو حکم دیا گیا کہ وہ افہام وتفہیم اور زجر وتنبیہ سے کام لیں، اگر بات بڑھ جائے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان ہی کے چند افراد کو حکم اور ثالث بنا کر معاملہ طے کرلیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے: ''اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کردو، اگر دونوں کی نیت اصلاحِ حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا۔'' (النساء:۳۵)

لیکن بعض اوقات میاں بیوی کے مزاج کا ہم آہنگ نہ ہونا اور دونوں میں اس قدر بغض وعداوت ہوجانا کہ دونوں ایک ساتھ رہ کر ایک دوسرے کے حقوق واجبہ ادا نہ کرسکتے ہوں، اور اصلاحِ حال کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی ہوں، اور تعلق نکاح کے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے میاں بیوی کا آپس میں مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہو، تو ایسی صورت میں اس ازدواجی تعلق کو ختم کرنا ہی طرفین کے لیے سامانِ راحت وسلامتی ہوتا ہے۔ اس لیے شریعت نے طلاق کو مباح قرار دیا۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: محاسنِ طلاق میں یہ داخل ہے کہ شریعت نے طلاق کا اختیار صرف مرد کو دے رکھا ہے، کیوں کہ وہ عورت کے مقابلے میں کامل العقل ہوتا ہے، اور کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے وہ اس کے عواقب ونتائج پر غور کرلیتا ہے، جبکہ عورت کی صفتِ عقل ودین میں نقصان ہوتا ہے اور وہ خواہشات سے مغلوب ہوتی ہے اور یہ بھی محاسنِ طلاق میں داخل ہے کہ آدمی کو دینی ودنیوی مکارہ سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ (ردالمحتار:۴/۴۲۹) لیکن اس خلاصی وچھٹکارے کے لیے اسی طریق وترتیب کو اپنانا ضروری ہے جو شریعت نے بتلائی ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا شرعاً حرام ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''شریعت نے معاہدۂ نکاح کو توڑنے اور فسخ کرنے کا طریقہ وہ نہیں رکھا، جو عام خرید وفروخت کے معاملات اور معاہدات کا ہے، کہ ایک مرتبہ معاہدہ فسخ کردیا تو اسی وقت اسی منٹ فریقین آزاد ہوگئے، اور پہلا معاملہ بالکل ختم ہوگیا، اور ہر ایک کو اختیار ہوگیا کہ دوسرے سے معاہدہ کرلے، بلکہ معاملۂ نکاح کو بالکل قطع کرنے کے لیے اول تو اس کے تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں رکھے گئے، پھر اس پر عدت کی پابندی لگادی گئی''۔ (معارف القرآن:۱/۵۵۷)

طلاق کا شرعی طریقہ:

(۱) طلاق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی مدخولہ بیوی کو ایسے طہر کی حالت میں جس میں اس سے ازدواجی تعلق قائم نہ کیا ہو، ایک طلاقِ رجعی دے، یعنی یوں کہہ دے کہ ''میں نے تجھے ایک طلاقِ رجعی دی''، اور اس کو چھوڑ دے یعنی دوسری طلاق نہ دے، یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے، اس طلاق کو طلاقِ احسن کہتے ہیں، کیوں کہ اگر شوہر کو اپنے فعلِ طلاق پر ندامت ہو تو وہ تدارک پر قادر ہوگا، یعنی اگر عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے، اور اگر عدت گزر گئی اور دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو بلا حلالہ نکاح جدید کرسکتا ہے۔

طلاقِ رجعی میں عدت کے اندر رجوع کرنے کے لیے نہ تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے، نہ ہی عورت کی رضامندی ضروری ہے، نہ عدت میں ترکِ زینت کا حکم ہے، نہ میاں بیوی کو زمانۂ عدت میں علیحدہ رہنے کا حکم ہے، بلکہ زوج اور زوجہ کے لیے ایک گھر میں رہنا جائز اور قابلِ ترجیح ہے۔ (غاية الأوطار:۲/۱۰۸)

(۲) اپنی مدخولہ بیوی کو ایسے تین طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو ایک ایک کرکے تین طلاقیں دیدینا طلاقِ حسن ہے، کیوں کہ اس طرح طلاق دینے کی صورت میں اگر دو طلاقیں دینے کے بعد شوہر اپنے اس اقدام پر نادم وشرمسار ہو تو عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے۔

(۳) ۱/ مدخولہ بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دینا۔ ۲/ ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں عورت کے ساتھ صحبت کرچکا ہو۔ ۳/ طلاقِ بائن دینا۔ ۴/ ایک طہر میں ایک سے زائد (دو یا تین) طلاق دینا۔ ۵/ غیر مدخولہ کو بیک وقت ایک سے زائد طلاق دینا۔ ۶/ نابالغہ یا آئسہ (جس عورت کو حیض آنا بند ہوچکا ہو) کو ایک مہینے میں ایک سے زائد طلاق دینا، یہ سب طلاقِ بدعت ہے، اس طرح طلاق دینے سے آدمی گناہ گار ہوتا ہے، البتہ طلاق بہر صورت واقع ہوجاتی ہے۔

عوام میں ایک غلط فہمی عام ہے کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بندھن کو ختم کرنے کے لیے تین طلاق دینا ہی ضروری ہے، اور جب تک تین طلاقیں نہیں دی جائیں گی نکاح ختم نہیں ہوگا، اس کی وجہ احکامِ شرعیہ سے ناواقفیت ہے۔ ایک طلاق دے کر بھی نکاح ختم کیا جاسکتا ہے (جس کا طریقہ اوپر گزر چکا)، نیز طلاق ضرورۃً مباح ہے، اور جو چیز ضرورتاً مباح ہوتی ہے وہ بقدرِ ضرورت ہی مباح ہوتی ہے، اور ضرورت ایک طلاق سے پوری ہوجاتی ہے، فقہ کا قاعدہ ہے: "الضرورات تبيح المحظورات، وما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها". (الأشباه والنظائر:۳۰۷-۳۰۸)، اس لیے زائد طلاقیں دینے سے پرہیز کیا جائے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ایسا کرنا منع ہے اور گناہ کے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔ ●●

اوبامہ عالمی سطح پر ایک امید — ایک تبدیلی؟

اقبال احمد انجینئر

گوانتاناموبے کے قیدخانہ کو ایک سال کے اندر بند کردیا جائے۔ نئے صدر بارک اوبامہ نے حکم نامہ جاری کردیا۔ اس سے پہلے کے حکم نامہ میں گوانتاناموقید خانہ میں قید تقریباً (250) قیدیوں پر تحقیقات معطل کرنے کا حکم نامہ جاری ہوا تھا۔ اوباما نے اپنے پہلے اور دوسرے دن یہ حکم نامہ جاری کرکے اپنے انتخابی وعدوں کو پورا کیا۔ صدر بش کی چلائی ہوئی دہشت گردی مہم کے خلاف یہ عمل دنیا میں امریکہ کی بدلتی ہوئی خارجہ پالیسی کی عکاسی کرتا ہے۔ اوباما نے اپنے انتخابی وعدوں کو پورا کرتے ہوئے جو تبدیلیاں شروع کی ہیں یقیناً وہ دنیا میں امریکی بدنامی کو دور کرنے میں مددگار رہوں گی۔ اوباما کا ایک اور اہم وعدہ کہ وہائٹ ہاؤس میں لابی (Lobby) نبھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ایک حکم نامہ کے ذریعے نئے صدر نے صدارتی اسٹاف کو حکم دیا کہ وہ اس عمل کی ہمت افزائی نہ کرے۔ قدیم طریقے بند ہوں اور تحفہ وتحائف قبول نہ کیے جائیں۔ یہ بھی پابندی لگادی کہ اسٹاف قدیم ساتھیوں کی سفارش قبول نہ کرے اور نہ ہی کسی کی سفارش کرے۔ ہر عمل شفاف ہو۔ اب تک وہائٹ ہاؤس کے ہر کام کو خفیہ رکھا جاتا تھا لیکن نئے حکم نامے کے اعتبار سے ہر کام شفاف ہوگا اور عوام کو جانکاری کے حق کے قانون کو بالادستی حاصل رہے گی۔ صدر اوباما نے یہ بھی کہا کہ ان کا حکم نامہ بھی شفاف ہوگا اور اسٹاف کو اجازت رہے گی کہ اگر ان کا کوئی حکم امریکی قانون سے ٹکراتا ہے تو انہیں مطلع کرے تاکہ اسے قانون کے تحت لایا جائے۔ صدر بش نے دہشت گردی کا ہوا کھڑا کرکے صہیونی جنگ جو شروع کی تھی اور دنیا کی ایک چوتھائی آبادی مسلمانوں کو الگ تھلگ کرکے تہذیبی تصادم کو جگہ دی تھی صدر اوباما نے اس سماجی اور سیاسی پالیسی سے امریکہ کو نکالنے کا جرأت مندانہ فیصلہ کیا ہے۔ کیا اب یہ سمجھ لیا جائے کہ ہنٹنگٹن کا نظریۂ تہذیبی تصادم، امریکی خارجہ پالیسی کا حصہ نہیں رہا؟ کیا اب یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سابق صدر بش کا نیا عالمی نظام یا تو ''آپ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے مخالف'' ختم ہو رہا ہے۔ ایک اور حکم نامہ میں قیدیوں کو اذیت رسانی کو بھی بند کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایران پر مکمل خاموشی رہی لیکن جارج مچل کو خصوصی سفیر مشرقِ وسطیٰ اور رچرڈ ہالبروک کو افغانستان اور پاکستان کا خصوصی سفیر مقرر کیا گیا۔

حلف اٹھانے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں صدر بش کی موجودگی میں صدر اوبامہ نے ان کی پالیسی کی کھل کر مخالفت کرتے ہوئے عالمی سطح پر اپنا تعارف کرایا اور پالیسی کی تبدیلی کا واضح اعلان کیا۔ تہذیبی تصادم کے نظریہ کو دفن کرتے ہوئے انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں کہا کہ امریکہ کرسچن، مسلم، یہودی اور ملحدوں کا ملک ہے۔ ان تہذیبوں کا ذکر کرکے انہوں نے ان کی موجودگی اور اہمیت وافادیت کو تسلیم کیا اور ان کی ترقی اور فروغ کو مسئلہ بنانے سے انکار کیا۔ یہ تہذیبی تصادم کے نظریہ سے کھلا اختلاف ہے اور دنیا میں موجود دوسری تہذیبوں میں موجود امریکی خوف کو دور کرنا ہے۔ دہشت گردی کی جڑ کو ختم کرنے کا یہ اعلان دنیا نے خوب سنا اور تعریف وتحسین بھی کی ہے۔ صدر بش کی احمقانہ خارجہ پالیسی اور جنگجو فطرت سے پریشان عالمی برادری نے سکون کی سانس لی ہے۔ صدر اوبامہ نے امریکہ کی دہشت انگیز تصویر میں امن کا رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کو قابو میں کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کو ہی واحد ہتھیار سمجھنے والے بش سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے پہلے ہی خطاب میں اوبامہ نے یہ اعتراف کیا کہ آج امریکہ کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا ہے۔ اس کی گرتی ہوئی معیشت، اس کی دنیا میں کھوئی ہوئی ساکھ کی بحالی کے علاوہ تعلیم اور صحت کی گری ہوئی حالت بھی مسئلہ ہے۔ ایک طرح سے صدر بش کی پالیسی کے نقائص کا ذکر کرتے ہوئے ورثہ میں ملی ملکی وغیر ملکی صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے اوبامہ نے امریکی عوام میں ہمت پیدا کی کہ وہ اس اہم مقابلہ کے لیے تیار رہیں وہ اس میں کامیاب ہوں گے۔ عدل وانصاف عام ہوگا۔

یوروپ اور امریکہ کے تعلقات پر اوباما نے برابری اور مساوات کے برتاؤ کا وعدہ کیا۔ ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ مسائل کو بانٹنے اور ان کے ساتھ ہر موڑ پر اتفاق ومقاصد کی تکمیل کی بات کرتے ہوئے ان کی حیثیت ومرتبے کی حفاظت کی بھی بات کی ہے۔ کلنٹن کے عہد میں یوروپ اپنی علیحدہ فوج اور موقف بنانے پر مصر تھا اور صدر کلنٹن نے اس کی اجازت بھی دے دی تھی لیکن صدر بش نے جب دہشت گردی کی مہم کے ذریعہ عالمی قیادت سنبھالنے کا ارادہ کیا تو یوروپ سے اس کا یہ حق چھین لیا اور جو ممالک امریکہ کے مخالف تھے ان کی قیادت کو تبدیل کرنے میں مہم جور ہے۔ فرانس اور جرمنی کو امریکی مخالف رویے پر سزادی جب کہ برطانیہ کو ساتھ رکھتے ہوئے یوروپ کو تقسیم کرکے اپنے مفادات کی حفاظت کی۔ امریکہ اور یوروپ کی تہذیب میں یہ تصادم بھی دراصل نظریۂ تہذیبی تصادم کا نتیجہ تھا۔ بارک اوبامہ نے اپنی تقریر میں یوروپ سے برادرانہ تعلقات قائم کرنے کا واضح اشارہ دیا۔ پالیسی کی تبدیلی کا یوروپ ایک عرصے سے منتظر تھا۔ امریکی افواج کے اڈوں سے زیر بار یوروپ کے ممالک اپنی حفاظت کے لیے امریکی افواج پر اعتماد کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں غیر ضروری دہشت گردی کی جنگ میں حصہ دار بننا پسند نہیں تھا۔ امریکی معیشت سے وابستہ یہ یوروپی ممالک اپنی تجارت امریکی ڈالر میں کرنے پر مجبور ہیں۔ اب جب کہ اوباما نے یوروپ کو مساوی درجہ دینے کی بات کہی ہے تو ان پر فوجی بوجھ بھی کم ہوگا اور امریکی مفادات کے تحفظ میں ان کی معیشت کو سزا نہیں دی جائے گی؟

مسلم دنیا منتظر تھی کہ بارک اوباما حلف کیسے لیتے ہیں۔ جب چیف جسٹس نے ان کا پورا نام بارک حسین اوباما پڑھا تو ایک نیا پیغام صہیونی جنگ میں الجھائی ہوئی مسلم دنیا کو ملا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں صدر اوباما نے مسلم دنیا کو خاص طور سے مخاطب کیا اور عزت واحترام کے رشتے رکھنے کا یقین دلایا، ساتھ ہی دہشت گردی کے خلاف سخت اقدامات کی دھمکی بھی دے ڈالی۔ عزت واحترام کے الفاظ کے استعمال نے مسلم دنیا میں موجود مخالف عوام میں ضرور امیدیں جگائیں کہ شاید بش کی پالیسی کا خاتمہ ہو اور دہشت گردی کے نام سے اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا سلسلہ ختم ہو؟ جمہوریت کے نام پر مغربی تہذیب کو مسلط کرنے کی بش کی حکمت عملی میں تبدیلی ہو۔ اوباما کے حکم نامہ کے بموجب اگر وہائٹ ہاؤس کو شفاف بنایا جاتا ہے اور پنٹاگن کو بھی جوابدہ بنایا جاتا ہے تو یہ توقع پیدا ہوسکتی ہے کہ مسلم دنیا میں امریکہ سے جو نفرت پائی جاتی ہے اس میں کمی آئے۔ پانچ سال سے مقید قیدیوں کو جن پر کوئی چارج شیٹ نہیں لگائی جاسکی ہے ان کی تفتیش کو معطل کرنے کا حکم نامہ بھی مسلم دنیا میں امریکی تصویر کو بہتر کرسکتا ہے۔ وہائٹ ہاؤس میں لابی سسٹم کو ختم کرنے کا حکم نامہ یقینی ہے کہ یہودی لابی کو متاثر کرسکتا ہے اس میں شفافیت کا راست اثر یہودی قوم اور اسرائیل پر پڑے گا۔ غزہ پر اسرائیل کا حملہ دراصل یہودی لابی کا وہ عمل تھا جو اوباما کو حلف لینے سے قبل ہی الجھانا چاہتا تھا۔ اگر اسرائیل غزہ پر مکمل فتح حاصل کرلیتا تو اوباما کو فلسطین کی پالیسی کے تعین میں مشکل پیش آتی اب جب کہ مسلسل تین ہفتوں کی وحشتناک جنگ، جارحیت اور سرکاری دہشت گردی کے بعد بھی اسرائیل کو اپنے مقاصد میں ناکامی ہوئی اور حماس کامیاب مزاحمت کرنے والا گروپ بن کر ابھرا ہے یہ صورتحال اوباما کو فلسطین کے متعلق جرأت مندانہ فیصلوں کی طرف راغب کرسکتی ہے۔ جارج مچل کو خصوصی سفیر مشرقِ وسطیٰ نامزد کرنے کے بعد اوباما نے ضرور اسرائیل کے تحفظ کو امریکہ کی بنیادی پالیسی بنایا ہے لیکن اس کے ساتھ غزہ کی ناکہ بندی ختم کرنے اور وہاں کی معیشت کو درست کرنے کی بات بھی کہی ہے۔ حماس کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اوباما نے یہودی نظریے کی حمایت بھی کی ہے۔ گوکہ اوبامہ نے بش کے الفاظ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' استعمال نہیں کیے مگر کیا واقعی وہ اتنے آزاد ہوسکتے ہیں کہ یہودی اثرات کا مقابلہ کرسکیں؟ امریکی معیشت کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں رکھنے والے یہودی کیا اس کی اجازت دیں گے؟ اگر اوباما یہودی معاشی مایاجال کو توڑ سکیں تو دنیا کا بھلا ہوگا۔

تیسری دنیا کے غریب ممالک کو بھی اوباما نے اچھا پیغام دیا انہیں سر چھپانے کے لیے سایہ کا انتظام کرنے، گھر اور پینے کے لیے صاف پانی کی فراہمی کا وعدہ کیا۔ افریقی وسائل ومعدنیات پر امریکی قبضہ نے ان ممالک میں امریکہ مخالف لہر کو تیز کردیا ہے۔ صدر بش نے اپنی من مانی کے لیے اور شخصی دشمنی میں رابرٹ مگابے سے جھگڑا مول لیا اور افریقی کونسل میں انتشار پیدا کردیا ہے۔ الجیریا اور نائیجیریا کی

باقی صفحہ ۸ پر

غصے کے برے نتائج اور علاج

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انسانی کمزوریوں میں ایک کمزوری غصہ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے مزاج کے خلاف کوئی چیز دیکھتا یا سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ اس اشتعال کے نتیجے میں وہ زبان اور ہاتھ کا ناجائز استعمال کرکے ایسے کام کر گزرتا ہے جو اس کے لئے سراسر نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ بعد میں وہ انسان اکثر اپنے کیے پر پشیمان اور شرمندہ بھی ہوتا ہے مگر اب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ غصے کو کنٹرول نہ کرنا نہ صرف اخلاقی برائی ہے بلکہ یہ کئی طرح کے نقصانات کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام میں غصے کا اظہار انتہائی قابلِ مذمت فعل ہے، جبکہ غصے پر کنٹرول کرنا تحسین وآفرین کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان کی گئی ہیں وہاں ان کی ایک نمایاں صفت یہ بھی ہے کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو وہ درگزر کر جاتے ہیں: ''ایسے لوگوں کا شمار یقیناً محسنین میں ہوتا ہے اور محسنین اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہوتے ہیں''۔ (الشوریٰ) جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''اور جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کو پسند کرتا ہے''۔ (آلِ عمران)

غصہ انسان کو بہت سی حسرتوں، مایوسیوں اور ناکامیوں سے دوچار کرتا ہے، جبکہ اس پر ضبط کرنا بہت سی خوبیوں اور شادمانیوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ غصے کی حالت میں انسان پر شیطان کا حملہ بڑا آسان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت انسان ایسا فعل کر گزرتا ہے جس پر اسے بعد میں خود اپنے رویے پر افسوس ہوتا ہے، مگر اس وقت تیر کمان سے نکل گیا ہوتا ہے اور سوائے پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

عام طور پر نوکروں اور ماتحتوں پر زیادہ غصہ آتا ہے، کیونکہ ان کی طرف سے کسی ردِعمل کا خطرہ نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا خوف ہی انسان کو زیادتی کرنے سے روک سکتا ہے ورنہ مشتعل ہوکر مالک اور افسر اپنے نوکر یا ماتحت سے بدزبانی بھی کرلیتا ہے اور بعض اوقات ناکردہ گناہ اس کے سر پر ڈال کر اسے سزا بھی دے ڈالتا ہے، مگر یہ بات ظلم کے زمرے میں آتی ہے اور زیادتی کرنے والا خود اللہ کے ہاں سزا کا مستوجب ہوجاتا ہے۔

میاں بیوی ہمہ وقت کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ایک جگہ رہتے ہوئے بعض معاملات میں اختلاف ہوجانا خارج از امکان نہیں ہے۔ اگر فریقین ٹھنڈی طبیعت کے مالک ہوں تو معاملہ جلد رفع دفع ہوجاتا ہے، بصورت دیگر بات طول پکڑ لیتی ہے، شوہر مشتعل ہوجاتا ہے، بیوی کے گزشتہ حسن سلوک کو فراموش کرکے مغلوب الغضب ہوجاتا ہے، گالی گلوچ کرتا ہے اور بعض اوقات نوبت مار پیٹ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ پاگل ہوکر طلاق کا لفظ بول دیتا ہے اور ایسے موقع پر اکثر لوگ ''طلاق طلاق طلاق'' کہہ دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش ٹھکانے آتے ہیں تو پشیمان ہوتے ہیں اور پریشان ہوکر علماء سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں طلاق واقع ہوچکی ہے۔ اب بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے تو غصے میں کہہ دیا تھا، میرا ارادہ طلاق دینے کا نہ تھا تو جواب ملتا ہے کہ طلاق کی مثال بندوق کی گولی کی ہے۔ اگر بندوق کسی شخص سے غیر ارادی طور پر بھی چل جائے تو نشانہ بننے والا آدمی تو مرجاتا ہے۔ اب بندوق جس کے ہاتھ سے چل گئی وہ ہزار کہے کہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا مگر مقتول تو زندہ نہیں ہوسکتا۔ گویا ایک پل کا غصہ پورے خاندان کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غصے پر قابو پانے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ آدمی برے نتائج سے بچ سکے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''غصہ مت کیا کرو''۔ اس شخص نے پھر وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمایئے، مگر آپؐ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ ''غصہ مت کیا کرو''۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب)

ہوسکتا ہے کہ نصیحت کی درخواست کرنے والا مشتعل مزاج ہو اور اس کے حق میں سب سے بڑی نصیحت غصے سے رکنا ہو، اسی لئے اس کے بار بار پوچھنے پر ہر دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتعال انگیزی سے باز رہنے کی تاکید کی۔ مگر آپ کی یہ نصیحت ہر شخص کے لئے ہے، کیونکہ غصہ میں آنے کی فطری کمزوری ہر شخص کے اندر موجود ہے جس کے برے نتائج سے محفوظ رہنے کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔

غصہ جہاں انسان کو دنیا کی زندگی میں طرح طرح کی مشکلات اور مصائب میں گرفتار کرتا ہے وہاں انسان کی متاعِ ایمان کو بھی برباد کردیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غصہ ایمان کو ایسے خراب کردیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کردیتا ہے''۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

شہد شیریں ترین شئے ہے، مگر ایلوا اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ وہ شہد کو بھی کڑوا کردیتا ہے۔ اسی طرح اشتعال انگیزی اتنی بری ہے کہ وہ ایمان میں خرابی کا باعث بنتی ہے۔ اچھا بھلا مسلمان غصے میں آکر مخالف پر جھوٹے الزام لگاتا ہے اور بعض اوقات تو کلماتِ کفر بول دیتا ہے۔ پس غصے کی شرانگیزی اور ہلاکت کے پیشِ نظر اس سے بچ کر رہنا ضروری ہے۔

ایک دفعہ راقم الحروف کو ایک جیل کے دورے کا موقع ملا۔ وہاں مختلف نوعیتوں کے سزا یافتہ مجرموں کو پابند سلاسل دیکھا۔ کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت بھی کی اور دریافت کیا کہ وہ کس جرم کے نتیجے میں یہاں پہنچے۔ اس پر اکثر قیدیوں کا یہ جواب تھا کہ غصہ آگیا تھا جس سے بات بڑھ گئی اور انجام کار جیل میں بند ہونا پڑا۔ قتل کے مجرموں اور سزائے موت پانے والوں میں سے بھی اکثر نے یہی کہا کہ مخالف کی کسی بات پر غصہ آگیا، میں نے پستول نکالا اور فائر کردیا، میرا مخالف وہیں ڈھیر ہوگیا اور مجھے مقدمہ کا سامنا کرنا پڑا۔ زرِ کثیر بھی صرف ہوا اور سزا بھی ہوگئی۔

غصے پر قابو پانا کوئی آسان کام نہیں، خاص طور پر جب اس کا نشانہ کوئی کمزور شخص بن رہا ہو۔ مغلوب الغضب شخص کو چونکہ اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ مدِمقابل کی طرف سے کسی طرح کا ردِعمل ہوگا اس لئے وہ بڑی بے باکی کے ساتھ غصے کا اظہار کرتا ہے۔ ایسی حالت میں غصے پر قابو پانا واقعی بڑی ہمت کا کام ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو مدِمقابل کو پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان اور شہ زور درحقیقت وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے''۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب وبای شئی یذھب۔)

جو شخص غصہ آنے پر آپے سے باہر نہ ہو اور نفس پر ضبط کرلے وہ بڑا بہادر اور صاحبِ عزیمت بلکہ صاحبِ فضیلت شخص ہے۔ وہ خود بعد میں اپنے طرزِ عمل پر خوش ہوگا اور اپنے آپ کو شاباشی دے گا کہ اگر غصے میں آکر کوئی اقدام کر گزرتا تو بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا۔ پس غصے کو پی جانا بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی بندے نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصے کے اس گھونٹ سے افضل ہو جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے''۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کو بندے کا ہر وہ عمل پسند ہے جو وہ اس کی رضا کے لئے کرے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خوف سے غصہ آنے پر ضبط سے کام لے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بڑا انعام واکرام پائے گا۔ حضرت سہل بن معاذؓ اپنے والد حضرت معاذؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص غصہ کو پی جائے درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہو کہ وہ اپنے غصے کے تقاضے کو پورا کرسکتا ہو، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائے گا اور اختیار دے گا کہ حورانِ جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے منتخب کرلے''۔ (جامع الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ باب منہ)

اسی طرح ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''جو کوئی اپنے غصے کو روکے اور پی جائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے عذاب روک لے گا''۔ گویا غصے پر ضبط کرنا نہ صرف دنیا کی زندگی میں بہت سے نقصانات اور برے نتائج سے بچاتا ہے بلکہ آخرت کی سزاؤں سے بھی محفوظ کرتا ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

باقی صفحہ ۸ پر

دعوت

۱۹/فروری ۲۰۰۹ء

اور کتنے ثبوت چاہئیں؟

گجرات پولیس کے ایک اعلیٰ افسر آر بی سری کمار نے سپریم کورٹ کی قائم کردہ اسپیشل انویسٹی گیشن ٹیم (ایس آئی ٹی) کو ایک حلف نامہ دیا ہے جس میں گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کی مسلم دشمنی کو اجاگر کیا ہے۔ اگر ایک عام آدمی بھی اس بیماری میں مبتلا ہو تو یہ خطرے کی علامت ہے کیونکہ یہ متعدی بیماری ہے اور نہایت تیزی سے پھیلتی ہے اور بہت جلد ماحول کو خراب کردیتی ہے۔ اس کا زخم بھی بڑا گہرا ہوتا ہے، لیکن اگر یہ بیماری کسی ایسے شخص کو لگ جائے جو ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہو تو اس سے خطرناکی دوچند کیا سہ چند ہوجائے گی اور اس کے اثرات دور دور تک پھیلیں گے اور اگر نریندر مودی جیسے لوگ اس کا شکار ہوجائیں تو یہ گویا پورے ماحول کو آلودہ کرنے کے مترادف ہے۔ ایسے افراد کی یہ بیماری بسا اوقات جرائم کی حدوں میں داخل ہوجاتی ہے، کیونکہ اس کے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں اس سے ایک بڑا طبقہ متاثر و محروم ہوجاتا ہے۔ آر بی سری کمار ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل آف پولیس (اے ڈی جی پی) کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے اور ۲۰۰۲ء میں ریاستی انٹیلیجنس بیورو کے انچارج تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے مظلوموں کی خدمت شروع کردی تھی اور مشہور سماجی کارکن تیستا سیتلواد کے ساتھ ہوگئے تھے، انھوں نے اپنے حلف نامے میں یہ کہا ہے: ”۷/مئی ۲۰۰۲ء کو وزیر اعلیٰ نے مجھے اپنے چیمبر میں طلب کیا اور اس کا پابند بنایا کہ میں سنگھ پریوار پر نظر نہ رکھوں اور اس کی سرگرمیوں کی نگرانی نہ کروں کیونکہ سنگھ پریوار کے افراد کی سرگرمیاں غیر قانونی سرگرمیوں کے دائرے میں نہیں آتیں، اس کے برعکس مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں مسلمان جنگجوؤں پر نظر رکھوں اور امن پتھ کے بارے میں معلومات جمع کروں جس کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ ایک مسلم گروپ ہے“۔ اطلاعات کے مطابق ایک اور سینئر برسرکار پولیس افسر راہل شرما نے بھی اسی طرح کا ایک حلف نامہ مذکورہ ایس آئی ٹی کے حوالے کیا ہے۔ اس سے بھی حکومت گجرات کی مسلم دشمنی اجاگر ہوکر سامنے آتی ہے۔ واضح رہے کہ مسٹر شرما اس وقت بھاؤنگر کے ایس پی تھے اور اب سی بی آئی کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل ہیں، انھوں نے اپنے حلف نامے میں کہا ہے: ”اس وقت کے وزیر مملکت برائے امور داخلہ گوردھن زدافیا نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ پولیس فائرنگ کے نتیجے میں جو ہلاکتیں ہوئی ہیں ان کا تناسب ٹھیک نہیں ہے اس سے میں نے یہ سمجھا کہ گویا وہ یہ شکایت کررہے ہیں کہ بھاؤنگر میں مرنے والوں میں مسلمان کم ہیں اور ہندو زیادہ ہیں“۔

حکومت گجرات نے آر بی سری کمار کے الزام کو یہ کہہ کر مسترد کردیا ہے کہ وہ ایک متعصب افسر ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت وہ تیستا سیتلواد کے ساتھ ہیں، اس لئے ان کی یہ بکواس قابل توجہ نہیں ہے اور حکومت اس کا جواب دینا ضروری خیال نہیں کرتی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وزیر اعلیٰ کے مشیر کار کے پی ایس گل کے مشورے پر ایسا کیا گیا ہے۔ انھوں نے ریاستی پولیس کے سربراہ کے چکرورتی کو یہ مشورہ دیا ہے کہ سیاستدانوں کی اصلاح کی چنداں ضرورت نہیں ہے یعنی دوسرے لفظوں میں انھوں نے یہ کہا ہے کہ وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل والوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ انھوں نے یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ راحت کیمپوں میں فساد سے متاثرہ جو لوگ رہ رہے ہیں ان سے راحت کیمپوں کو خالی کرالیا جائے۔ یہ بات آر بی سری کمار نے اپنے حلف نامے میں کہی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان سے جرح کی جاسکتی ہے اور جو لوگ سچائی تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ ان سے دوبارہ سوالات کرسکتے ہیں، مگر ابھی تک کسی نے ان سے سوالات نہیں کئے ہیں۔ اس پر انھوں نے چیلنج کے انداز میں یہ کہا ہے کہ آخر لوگ ان سے کیوں نہیں پوچھتے۔ دوسری طرف شرما نے اپنے حلف نامے میں یہ بتایا ہے کہ فسادات سے متعلق پولیس کا بہت سارا ریکارڈ تلف کردیا گیا ہے، گویا جو ثبوت تھے یا جنھیں ثبوت کا درجہ حاصل ہوسکتا تھا اس کو مٹادیا گیا، مگر انھوں نے ضمیر کی آواز پر وہ حقائق جو ان کے پاس محفوظ تھے تفتیشی ایجنسی کے سپرد کئے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق ان دونوں افسروں پر مودی حکومت کا عتاب اس صورت میں نازل ہوا کہ انھیں خفیہ معلومات کو ظاہر کرنے کا مجرم قرار دیا گیا اور ۲۰۰۵ء میں ان کے خلاف باقاعدہ فرد جرم عائد کی گئی، لیکن پچھلے برس سنٹرل ایڈمنسٹریٹیو ٹریبونل کی احمد آباد بنچ نے انھیں اس الزام سے بری قرار دے دیا۔ دوسری طرف شرما کو بھاؤنگر کے ایس پی کے عہدے سے ہٹا کر ایک نہایت غیر اہم کام سونپ دیا گیا اور احمد آباد کنٹرول روم میں بٹھادیا گیا۔ ایس آئی ٹی نے اپنی رپورٹ سپریم کورٹ کے حوالے کردی ہے۔ اس نے فسادات کے دس اہم واقعات کی از سر نو چھان بین کی ہے، واضح رہے کہ ذاتی طور پر نریندر مودی اور ان کے متعدد وزراء اور حکومت گجرات کی کارکردگی کے سلسلے میں اس نوع کے بے شمار واقعات اور شہادتیں اب تک سامنے آچکی ہیں جن سے جرم بالکل عیاں ہوجاتا ہے اس کے باوجود جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو لگام دینے کی کارروائی نہیں ہورہی ہے۔ اس کے بعد اور کتنے ثبوتوں کی ضرورت پڑے گی؟

مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام مسلمانانِ ہند کے مسائل کا حل نہیں ہے

اس طرح کا کوئی بھی اقدام اسلامی تشخص کو متاثر کرے گا، اس لئے مسلمان اس کی تائید نہیں کریں گے

مدارس اسلامیہ کے خلاف فرقہ پرستی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے الزامات عائد کرنا اور رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی سازش رچنے کا سلسلہ عرصۂ دراز سے جاری ہے۔ چند برس پہلے ملک کے چھوٹے بڑے متعدد مدارس پر چھاپے مارے گئے اور ہر بار یہ کہا گیا کہ انتظامیہ کو ان مدارس میں دہشت گردوں کے چھپے ہونے کی خفیہ اطلاعات موصول ہوئی ہیں اور اس طرح کی کارروائیاں اسی بنیاد پر کی جارہی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا رہا ہے کہ ملک کے تمام مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں اور نہ ہی تمام مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ البتہ کچھ مسلمان اور کچھ مدارس اس طرح کی سرگرمیوں میں ضرور ملوث ہیں اور اس طرح کی کارروائیاں انہی عناصر کے خلاف ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی کارروائی کے دوران انتظامیہ کو کچھ بھی ہاتھ نہیں لگا اور نہ ہی وہ آج تک اپنے الزامات کو ثابت کرسکی۔ موجودہ حکومت کے قیام کے بعد سے مدارس کو یک گونہ راحت تو ملی کہ ان کے خلاف بے بنیاد الزامات اور بلاسبب و بلاثبوت ہونے والی کارروائیوں کا سلسلہ تو بالعموم موقوف ہوگیا لیکن اس کی جگہ ایک نئی چیز نے لے لی۔

موجودہ حکومت نے اپنے قیام کے ابتدائی ایام سے ہی مدارس کی جدید کاری کے نام پر ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے الزامات کے بجائے جدید کاری کے نام پر مدارس میں مداخلت اور ان کی خود مختاری و افادیت کو متاثر کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ حکومت نے اس تعلق سے طرح طرح کے اعلانات کئے، انہی میں سے مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام بھی ہے۔ حکومت بورڈ کے قیام پر شروع سے ہی زور دیتی چلی آرہی ہے اور اب اس نے آئندہ پارلیمانی اجلاس میں اس سلسلے میں ایک بل پیش کرنے کا بھی اعلان کردیا ہے۔

بورڈ کی تجویز کے وقت سے ہی ارباب مدارس نے اس کی شدید اور واضح الفاظ میں مخالفت کی ہے۔ ان کا موقف بالکل واضح ہے کہ اس طرح کی کوئی بھی کوشش مدارس کے نظام اور تعلیم کو برباد کردے گی۔ ارباب مدارس کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ قدم خیر خواہی کے بجائے بدخواہی اور سازش کا نتیجہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی طور پر مسلمانوں کو پسماندہ کرنے کے بعد مذہب سے بھی ان کے تعلق کو ختم کردیا جائے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے مدارس کی روح کو ختم کیا جائے۔ جہاں تک مدرسہ بورڈ کی افادیت کی بات ہے تو ان صوبوں کے مدارس کی حالت زار پر نظر ڈالنا بہتر ہوگا جہاں بورڈ پہلے ہی سے قائم ہے۔ اس کے لئے مغربی بنگال کی مثال کافی ہوگی جہاں ایک وقت میں دینی تعلیم کا نظام بہت ہی مستحکم تھا اور اس صوبہ نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آج بھی اس صوبے میں ہزاروں کی تعداد میں مدارس موجود ہیں لیکن بورڈ کے قیام اور ان مدارس کے ان کے دائرہ میں آنے کے بعد سے ان کی افادیت صفر کے برابر ہوکر رہ گئی ہے۔ یہی صورتحال دوسرے مقامات پر قائم مدرسہ بورڈ کی ہے کہ ان کے تحت چلنے والے مدارس کا صرف نام باقی ہے لیکن تعلیم، نصاب اور نظام سب کچھ ختم ہوکر رہ گیا ہے۔ اگر کل ہند سطح پر اس طرح کی کوئی بھی کوشش کی گئی تو وہ پورے ملک کے مدارس کو متاثر کرے گی اور ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو ان مقامات کا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں کسی بھی حتمی فیصلے سے پہلے ارباب مدارس سے رائے اور انھیں اعتماد میں لینا ضروری ہوگا ورنہ اس سے خاطر خواہ نتائج کے بجائے مسائل میں اضافہ ہی ہوگا۔ ●●

فلسطین اسرائیل تنازعہ، تاریخی پس منظر

فلسطینیوں کا شمار دنیا کی ایسی اقوام میں ہوتا ہے جن کے لئے اپنی ہی زمین تنگ کردی گئی ہے۔ یہ دکھ فلسطینیوں کو گزشتہ کئی دہائیوں سے سہنا پڑ رہا ہے، امید تو یہی تھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ حل ہوجائے گا لیکن نئے صدی کی پہلی دہائی بھی اسی دکھ اور پریشانی میں گزر رہی ہے اور پھر غزہ پٹی کے شہریوں نے نئے سال کا سورج ایک نئے کرب میں دیکھا ہے۔ ۲۰۰۹ء میں وہاں ایک نئے انسانی بحران نے جنم لیا۔ گزشتہ دسمبر کے آخری ہفتے سے جاری غزہ پر اسرائیلی فضائی اور زمینی حملوں میں بچوں اور خواتین سمیت اب تک سیکڑوں فلسطینی جاں بحق ہوچکے ہیں اور جو زندہ ہیں انھیں انسانی بنیادی ضرورتوں سے جڑے بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔

غزہ پر حالیہ اسرائیلی حملوں کے نتیجے میں ہونے والی تباہی اور شہادتوں نے ہر ذی شعور شخص کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ حماس کے خلاف اسرائیل کی اس جنگ میں ہر روز معصوم بچوں کی چیخیں گونج رہی ہیں۔

زخمیوں کی تعداد کے بارے میں ایک فلسطینی ڈاکٹر کہتے ہیں: ”ہم شاید کچھ زخمیوں کی مدد تو کرسکیں، لیکن ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں کہ ہزاروں زخمیوں کی مدد کرسکیں۔

حقائق کتنے ہی دل دہلا دینے والے کیوں نہ ہوں، غزہ پٹی کا حالیہ بحران کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ تو ایک ایسا تنازعہ ہے جو ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا۔

غزہ پر اسرائیل کی حالیہ کارروائیوں کو رکوانے اور حماس کے ساتھ فائر بندی کے لئے عالمی سطح پر کئی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ لیکن غزہ کے شہریوں کی مشکلات بڑھتی ہی جارہی ہیں۔ اس تناظر میں عالمی طاقتوں اور او آئی سی کے کردار پر پشاور یونیورسٹی میں شعبہ سیاسیات کے سابق چیئرمین اور تجزیہ نگار اے زیڈ ہلالی نے کہا کہ اس تنازعے میں اقوام متحدہ کا کردار جانبدار ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دوسرے معاملات میں تو یہ عالمی ادارہ بہت سبک رفتاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اے زیڈ ہلالی کا موقف تھا کہ اقوام متحدہ عالمی طاقتوں کے ماتحت ہے۔ انھوں نے او آئی سی کے کردار پر بھی کڑی تنقید کی اور کہا: او آئی سی کا کردار اتنا کمزور ہے اور یہ تنظیم اس قدر بے بس ہے کہ فلسطین کا بحران تو ایک طرف، دنیائے اسلام کو جتنے بھی مسائل درپیش ہیں، ان کے حل کے لئے اس تنظیم نے قراردادیں پاس کرنے کے علاوہ کبھی کچھ نہیں کیا۔

غزہ پٹی کیا ہے؟

غزہ پٹی کا علاقہ چالیس کلومیٹر طویل ہے اور اس کی چوڑائی دس کلومیٹر ہے۔ وہاں چودہ لاکھ سے زائد فلسطینی آباد ہیں۔ جن میں سے بیشتر کا تعلق ان پناہ گزین خاندانوں سے ہے جو ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اسرائیلی علاقوں سے آکر آباد ہوئے۔ اس علاقے میں سلامتی اور انسانی بحران کی مزید تفصیل کچھ یوں ہے کہ غزہ پٹی کے بیشتر شہری آٹھ پناہ گزیں کیمپوں میں رہائش پذیر ہیں جہاں اقوام متحدہ صحت و تعلیم اور بنیادی ضروریات کی دیگر سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ یہ گنجان آباد علاقہ ہے اور بیس فیصد آبادی کو نکاسی آب کی سہولت میسر نہیں۔

اسرائیل نے غزہ پٹی کے ساتھ باڑ لگا رکھی ہے، اس سرحد پر Sufa اور Kami کے مقام پر آمد و رفت اور ضروری اشیاء کی نقل و حرکت کی نگرانی اسرائیلی فوج کے پاس ہے۔ تاہم غزہ کا انتظام حماس کے پاس آنے کے بعد سے یہ سرحدی گزرگاہیں تقریباً بند ہی رہی ہیں جس کی وجہ سے خطے میں بنیادی اشیائے ضرورت کی زبردست قلت رہی ہے۔

۲۰۰۵ء میں غزہ پٹی سے اسرائیلی فوج اور آبادکاروں کے انخلاء کے بعد سے عسکریت پسند وہاں سے مسلسل راکٹ حملے کرتے رہے ہیں جن میں چند ہلاکتیں بھی ہوچکی ہیں۔ دوسری جانب اسرائیل کی طرف سے شیلنگ اور میزائل حملوں میں غزہ میں بے شمار ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ اسرائیل کا موقف رہا ہے کہ یہ کارروائیاں اسرائیلی علاقوں پر راکٹ حملے روکنے کے لئے کی جاتی ہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

یہ تنازعہ کیسے شروع ہوا؟

اسرائیل اور فلسطین کا تنازعہ گزشتہ سات دہائیوں سے چلا آرہا ہے۔ اس خطے پر برطانیہ کی حکومت تھی۔ ۱۹۴۸ء میں اس کی تقسیم کے ساتھ اسرائیل کا قیام ممکن ہوا۔ یوں دنیا بھر میں بکھرے ہوئے یہودیوں کو ایک وطن تو ملا لیکن مشرق وسطیٰ میں ایک طرح کے انسانی اور سیاسی بحران کی زد میں آگیا۔

اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق اسرائیل کی آبادی تقریباً ۷۰ لاکھ ہے جبکہ فلسطینی علاقوں میں چالیس لاکھ افراد آباد ہیں۔ اسرائیل نے ۲۰۰۵ء میں غزہ پٹی سے اپنے آبادکاروں کو نکال لیا تھا، اس کے ساتھ ہی اس علاقے سے اپنی فوجیں بھی واپس بلالی تھیں۔ یوں چار دہائیوں سے جاری تسلط کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

فلسطین نیشنل اتھارٹی میں جنوری ۲۰۰۶ء میں پارلیمانی انتخابات ہوئے، جن میں حماس کی فتح سے فلسطینی دھڑوں میں اختلافات پیدا ہوگئے۔ صدر محمود عباس کی جماعت فتح اور حماس کے درمیان پرتشدد کارروائیاں شروع ہوئیں۔ فروری ۲۰۰۷ء میں دونوں جماعتوں کے درمیان قومی حکومت کی تشکیل کا معاہدہ ہوا۔ بعد ازاں غزہ کا کنٹرول حماس کے ہاتھ آگیا۔ یوں اسرائیل کے ساتھ تنازعہ اور بھی کشیدہ ہوگیا۔ اگرچہ اسرائیل غزہ اور مغربی کنارے کا کنٹرول فلسطینیوں کو دے چکا ہے تاہم آزاد فلسطینی ریاست کا قیام ابھی تک ممکن نہیں ہوسکا ہے۔ اس کی راہ میں بڑی رکاوٹوں میں یروشلم کی حیثیت، فلسطینی پناہ گزینوں اور یہودی آبادکاروں کے مسائل حائل ہیں۔

آزاد فلسطینی ریاست کا قیام ۲۰۰۸ء کے آخر تک عمل میں آنا تھا، مشرقی یروشلم اس ریاست کا متوقع دارالحکومت ہے۔ تاہم فلسطینی تنظیموں اور اسرائیل کے مابین مصری ثالثی سے طے پانے والا فائر بندی کا ایک معاہدہ دسمبر میں ختم ہوگیا۔ یہ معاہدہ چھ ماہ تک قائم رہا، جس کے خاتمے پر اسرائیلی حکام نے غزہ پر چڑھائی کردی۔ ان فضائی کارروائیوں کے پہلے چند روز میں ہی بچوں اور خواتین سمیت سیکڑوں فلسطینی جاں بحق ہوگئے۔ بعد ازاں اسرائیلی بری فوج بھی غزہ میں داخل ہوگئی۔ اس جارحیت کا نشانہ بننے والوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہوگئی ہے اور زخمیوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے منظور کی جانے والی اپنی ایک متفقہ قرارداد میں غزہ پٹی میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔ لیکن اسرائیل نے اس سلامتی کونسل کی قرارداد کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

یاد رہے کہ مغربی ملکوں اور عرب ریاستوں کے مابین طویل بحث کے بعد متفقہ مسودے کی صورت میں پیش کی گئی اس قرارداد میں رکن ملکوں نے مطالبہ کیا ہے کہ غزہ میں جنگی کارروائیاں فوری اور غیر مشروط طور پر بند ہونا چاہئیں۔ اکثریتی رائے سے منظور کی جانے والی اس قرارداد میں امریکہ نے اپنی رائے محفوظ رکھی تھی۔

دیکھنا یہ ہے کہ اقوام متحدہ اس انسانی المیے کا حل نکالنے میں کس حد تک کامیاب ہوپاتا ہے۔ ●●

اسرائیل کے ذریعے عرب میڈیا کا استعمال

محمد احمد کاظمی

غزہ پر اسرائیلی حملوں کے دوران بے گناہ فلسطینی عوام کو جس طرح عرب ممالک کی حکومتوں اور عوام نے بے حسی سے دیکھا ہے اس پر سبھی حیران ہیں۔ امت مسلمہ یعنی دنیا بھر کے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، کے اسلامی اصول سے مکمل انحراف اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے مذہبی اصولوں کو اپنے مفادات کی خاطر فراموش کردیا ہے۔

عرب ممالک کے حالات کا نزدیکی جائزہ لینے پر کچھ نئی حقیقتیں سامنے آرہی ہیں۔ اب اسرائیل نہ صرف عرب حکمرانوں پر اثر انداز ہے بلکہ اس نے ان ممالک کے میڈیا یعنی ذرائع ابلاغ پر بھی کنٹرول کرلیا ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے الجزیرہ ٹیلی ویژن اور کئی اہم اخبارات فلسطین پر اسرائیل کے جاری مظالم کی رپورٹنگ کرتے رہتے تھے۔ غزہ پر ہوئے اسرائیلی حملوں کے دوران العربیہ ٹیلی ویژن نے اسرائیل میں شہید ہورہے بچوں کی مادروں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بچوں کی تصویروں کو ٹیلی ویژن پر نشر نہ کرائیں کیونکہ ایسا کرنے سے فلسطین کے دیگر بچوں میں دہشت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی اسرائیل کے مظالم کے نتیجے میں شہید ہونے والوں کی تصویریں ٹیلی ویژن پر نشر ہونے سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اسرائیل مخالف جو لہر دوڑ رہی ہے اس پر قابو پایا جاسکے گا۔ واضح رہے کہ متحدہ عرب امارات کے العربیہ ٹیلی ویژن چینل نے امریکہ کے نو منتخب صدر بارک حسین اوبامہ کا پہلا انٹرویو نشر کیا ہے۔ یہ ٹیلی ویژن چینل ۲۰۰۳ء میں عراق پر امریکہ کے حملے کے موقع پر قائم کیا گیا تھا کہ عراق میں ہونے والے واقعات کو عربی زبان میں اپنی مرضی کے مطابق نشر کیا جاسکے۔

”فلسطینی تھنک ٹینک“ تنظیم کی ویب سائٹ پر شائع اقبال تمیمی کے ایک مضمون کے مطابق عرب ممالک میں اسرائیل نے بڑے نامی گرامی صحافیوں کو خرید لیا ہے اور ان سے ان ممالک میں اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق پروپگنڈے میں مدد لیتا ہے۔ اسرائیل کی وزیر خارجہ نے اپنی ویب سائٹ پر متعدد عرب صحافیوں کی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے عوام سے سفارش کی ہے کہ وہ ان کی تحریروں کو ضرور پڑھیں۔ ویب سائٹ کے مطابق اسرائیل مذکورہ صحافیوں کو عرب ممالک میں اپنے نظریات کے سفیر (نمائندہ) کے طور پر تصور کرتا ہے۔ یہ صحافی اسرائیل کے مفادات کے حق میں اپنی تحریریں عرب عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اسرائیل کی وزیر خارجہ زپی لیونی نے ان صحافیوں کے نہ صرف موجودہ بلکہ سابقہ مضامین بھی حال ہی میں شائع کرائے ہیں۔ ان مضامین میں انھوں نے فلسطین کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والی سرکردہ تنظیم حماس کے خلاف لکھا تھا۔ ان نام نہاد سرکردہ عرب صحافیوں میں العربیہ ٹی وی چینل کے موجودہ جنرل منیجر عبدالرحمٰن الرشید بھی شامل ہیں۔ وہ اب سے پہلے مصر سے شائع ہونے والے بڑے عربی اخبار ”شرق الاوسط“ کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔

مذکورہ مضمون میں اقبال تمیمی نے لکھا ہے کہ العربیہ ٹیلی ویژن چینل کی فلسطینی شہید بچوں کی مادروں سے ان کی تصویریں نشر نہ کرنے کی اپیل حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ ان کے مطابق یہ حقیقت دنیا کے سامنے ہے کہ غزہ میں آج بھی ٹیلی ویژن چلانے کے لئے بجلی مہیا نہیں ہے۔ غزہ کے اکثر گھروں میں نہ تو ٹیلی ویژن موجود ہیں اور نہ ہی گھروں میں ڈرائنگ روم ہیں۔ اکثر کنبوں میں بچوں کی مادریں زندہ ہی نہیں رہی ہیں جو کسی قسم کی شکایت کرسکیں اور اگر کچھ زندہ باقی بھی ہیں تو صاف پانی حاصل کرنے کی فکر اور اپنے زخمی بچوں کی اسپتالوں میں عیادت کرنے میں مشغول ہیں۔ اسرائیل کے حالیہ حملوں سے پہلے غزہ پر اسرائیل کی ۱۹ ماہ سے جاری ناکہ بندی اور اس کے بعد حملوں کے دوران اقوام متحدہ کے دفتروں کے تباہ ہونے پر غذا کی عدم موجودگی نے فلسطینی عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ کردیا ہے۔

مضمون نگار کے مطابق العربیہ ٹیلی ویژن چینل کے ذریعے کی جانے والی اپیل کا مقصد اسرائیلی مظالم کی پردہ پوشی کرنا ہے تاکہ فلسطینی عوام کو حماس کی حکومت منتخب کرنے کی مزید سزا دی جاسکے۔ واضح رہے کہ حماس کی حکومت اسرائیل اور اس کو امداد دینے والے امریکہ کے خلاف ہے۔ جب سے فلسطین میں حماس کی حکومت قائم ہوئی ہے تب سے امریکہ نے اس کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون نہیں کیا ہے۔

العربیہ ٹیلی ویژن چینل کی نظر میں غزہ میں رہنے والے بچے اور خواتین اسرائیل کے مظالم کے نشر کرنے پر شکایت کررہے ہیں۔ اس کی نظر میں فلسطینی عوام ان عرب ممالک کے حکمرانوں کی شکایت نہیں کرتے جو ظالم اسرائیل اور امریکہ کی حمایت کرتے ہیں اور مسلمان ہونے کے باوجود اسلام کے ”امت واحدہ“ کے اصول کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ عرب خطے کے حساس ماہرین کا کہنا ہے کہ فلسطینی عوام پر گزشتہ ساٹھ برسوں سے جاری مظالم کو میڈیا کے ذریعے غلط طریقے سے پیش کئے جانے کی وجہ سے مظالم کا سلسلہ جاری ہے اور مسلمانوں کے ضمیر سوئے ہوئے ہیں۔ العربیہ ٹیلی ویژن چینل نے حال ہی میں دو افراد ایک خاتون اور ایک مرد کا انٹرویو یہ دعویٰ کرتے ہوئے نشر کیا ہے کہ وہ غزہ کے رہنے والے ہیں اور وہ غزہ کی مادروں سے اپیل کررہے ہیں کہ وہ شہید بچوں کے جسم کے ٹکڑے اور خون ٹیلی ویژن پر نشر نہ کرائیں اس سے خواتین اور بچوں میں دہشت اور خوف کا ماحول بڑھتا ہے۔

اقبال تمیمی کے مطابق یہ دونوں افراد غزہ کے نہیں تھے اور یہ قدم صرف اسرائیلی مظالم کو دنیا کے سامنے آنے سے روکنا تھا۔ حقیقت میں العربیہ چینل نے فلسطینی مظلوموں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم ممالک کے عوام اپنی حکومتوں پر زور دیں کہ وہ اسرائیل کے مظالم کی کھل کر مخالفت کریں اور اس کے حامی ممالک سے سنجیدگی سے احتجاج کریں تاکہ مظالم کا سلسلہ کم ہوسکے اور دنیا کے سامنے مظالم کا چہرہ پوری طرح سے لایا جاسکے اور مظلوم انسانیت کی حمایت کی جاسکے۔ ●●

فکر معاصر

قصوروار کون ہے؟

بابری مسجد کا منصوبہ بند انہدام 1992 میں ہوا جب اترپردیش میں کلیان سنگھ بھارتیہ جنتا پارٹی سرکار کی قیادت کررہے تھے۔ یوپی کے اس وقت کے وزیراعلیٰ کلیان سنگھ نے عدالت عالیہ میں حلفیہ بیان دیا تھا کہ وہ کارسیوکوں سے مسجد کو محفوظ رکھیں گے، مگر مسجد ان کے حلفیہ وعدے کے بعد بھی منہدم کردی گئی اور یہ جھوٹا وزیراعلیٰ اپنے سرپر مسجد کے انہدام کا سہرا باندھے ملک بھر میں گھومتا پھرا اگرچہ عدالت نے اسے علامتی سزا دے کر اس کے دامن پر دروغ گوئی کی مہر لگادی تھی مگر کلیان سنگھ ہی نہیں آڈوانی سمیت بھارتیہ جنتا پارٹی کے بڑے بڑے لیڈر فتح مندی کا ڈھول بجاتے رہے اور آر ایس ایس کی نظریاتی کوکھ سے جنم لینے والی ساری سیاسی اور نام نہاد غیر سیاسی جماعتیں اپنی کامیابی پر جھومتی رہیں۔

اب راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ کے سرچالک مسٹر سدرشن نے فرمایا ہے کہ ”بابری مسجد کے انہدام میں اس وقت کی حکومت ملوث تھی۔“ 1992 میں اترپردیش میں بی جے پی کی حکومت تھی اور وزیراعلیٰ کے منصب پر کلیان سنگھ قابض تھے، کلیان سنگھ نے اپنے منصب سے استعفیٰ اسی لیے دیا تھا کہ وہ عدالت سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو نباہ نہیں سکے تھے بلکہ سچ یہ ہے کہ جان بوجھ کے کلیان سنگھ نے نام نہاد کارسیوکوں کو جو عملاً دہشت گرد ثابت ہوئے، مسجد کو ڈھانے کی اجازت دی تھی جب کہ ایل کے آڈوانی کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کارسیوکوں کو آئین شکنی پر اکسا رہے تھے۔ آڈوانی نے عدالت عالیہ کی جانب سے مشروط طور پر جب اجودھیا میں بھجن او رکیرتن کی اجازت لی تھی اور عدالت نے یہ شرط لگادی تھی کہ مسجد کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، اس وقت آڈوانی کا یہ بیان بعض اخباروں میں آیا تھا کہ کارسیوک صرف بھجن گانے تھوڑی جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ لال کرشن آڈوانی بھی توہین عدالت کرنے والوں میں شامل ہیں اور اس وقت کے بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی اور مس اوما بھارتی دونوں گلے میں بانہیں ڈالے بابری مسجد کے انہدام پر خوشی کا اظہار کررہے تھے۔ کلیان سنگھ کو سزا ہوجانے کے بعد بھی بی جے پی کے لیڈر ہی نہیں سنگھ پریوار کی ساری تنظیموں کے لیڈر جن میں اشوک سنگھل بھی شامل ہیں، جشن فتح منارہے تھے اور آج بھی 6 دسمبر کو ہر سال یہ جشن منایا جاتا ہے۔

بی جے پی نے جب کلیان سنگھ پر گرفت سخت کی تو کلیان سنگھ بابری مسجد کے انہدام کی بنا پر کٹر چنتھی ہندوؤں کو اپنے ساتھ لانے کی امید میں پارٹی سے الگ ہوگئے اور اپنی الگ کرانتی پارٹی بنائی مگر ہندو ووٹروں نے بھی انہیں زیادہ سہارا نہیں دیا اور ان کی پارٹی کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکی۔ اس عرصے میں کلیان سنگھ بی جے پی لیڈروں پر خصوصاً اٹل بہاری واجپئی پر برستے رہے ان کا کھوٹا نوچنے پر آمادہ رہے مگر یہاں بھی ان سے کچھ نہ بن پڑا تو مجبوراً پھر وہ بی جے پی میں آگئے۔ بی جے پی سے رشتہ توڑنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو اعتماد میں لے لیا تھا اور مسلمانوں نے ان کی مدد بھی کی تھی مگر دوبارہ بی جے پی میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے خلاف تلخ رویہ اختیار کیا اور اب جب وہ پھر بی جے پی سے الگ ہوکر سماج وادی پارٹی کا سہارا لے کر عوام کو تیسرا دھوکا دینے پر تلے ہوئے ہیں تو اب مسلمان کلیان سنگھ جیسے دروغ گو پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اترپردیش کے مسلمانوں نے سماج وادی پارٹی سے رشتہ توڑنا شروع کردیا ہے اور اس کے بڑے مسلم لیڈروں نے کلیان سنگھ سے ہاتھ ملانے کے خلاف پارٹی سے علیحدگی اختیار کرنا شروع کردی ہے۔

سنگھ پریوار کا ہاتھ بھارتیہ جنتا پارٹی کے سرپر ہے، آڈوانی کے پاکستانی دورے پر جانے اور محمد علی جناح کی تعریف کرنے کے جرم میں آر ایس ایس نے آڈوانی کو کنارے لگانے کی پوری کشش کی تھی۔ پتہ نہیں یہ کوشش حقیقی تھی یا نورا کشتی تھی بہر حال بی جے پی کی صدارت تو ان سے چھین لی گئی مگر لوک سبھا میں پارٹی کی قیادت سے انہیں برطرف نہیں کیا گیا، اس وقت یہ سوچا جارہا تھا کہ شاید آڈوانی کے دن پورے ہوگئے ہیں مگر اچانک بی جے پی نے آڈوانی کو مستقبل کے وزیراعظم کے طور پر پیش کرکے پہلے ہی آڈوانی کی اقتدار میں واپسی کا سگنل دے دیا تھا اور اب شری کے ایس سدرشن نے اپنے خاص انداز میں بغیر نام لیے آڈوانی کی راہ ہموار کرنا شروع کردی ہے۔ سدرشن نے مدھیہ پردیش کے شجاع پور میں کلیان سنگھ کا نام لیے بغیر یہ کہا کہ بابری مسجد کے انہدام کی ذمہ دار اس وقت کی حکومت ہے سنگھ پریوار نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کلیان سنگھ ہی نے مسجد گرانے میں اہم رول ادا کیا ہے، اس اعلان کے بعد نہ صرف کلیان سنگھ کو دھچکا لگے گا بلکہ ان کے سرپرست ملائم سنگھ کی اہمیت بھی کم ہوجائے گی اور سماج وادی پارٹی کو فائدہ کی جگہ نقصان زیادہ پہنچے گا اور اس نقصان کا فائدہ بی جے پی ہی کو ہوگا۔ (آزاد ہند، کولکاتا)

مشرق وسطیٰ کی سیاست میں ترکی کا کردار

ایم کے بھدرا کمار

> سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسرائیل پر جوالامنتاہی خوف طاری ہے کیا وہ اسے یوں ہی ستاتا رہے گا۔ پہلی مرتبہ اناطولیہ کے قلب میں یہودی مخالف لہر اس قدر نمایاں ہوکر سامنے آئی ہے جب یہودی پوری دنیا سے نکالے جارہے تھے اور دربدری کا شکار تھے اس وقت انہیں اناطولیہ میں پناہ ملی تھی کیا یہ تاریخی حقیقت اب قصہ پارینہ بن جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔ ظاہر ہے یہودیوں پر عائد ہوگی۔ کیا اسرائیلی لیڈر یہ الزام اپنے سرلینے کو تیار ہیں لیکن انہیں اسے لینا ہی پڑے گا۔

ترکی کی حکمراں جماعت اے کے پی (جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی) کے بارے میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، جنگجویانہ ذہنیت کے حامل سیکولر عناصر کا کہنا ہے کہ یہ سلفیوں کا ٹروجنی یابو (کاٹھ کا گھوڑا) ہے۔ ان سلفیوں نے جمہوریت نواز ہونے کا سوانگ بھر رکھا ہے جب کہ بعض دوسرے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ترکی کی حکمراں جماعت اس قدر ڈھلمل یقین ہے کہ اگر اس کو ایران یا افغانستان میں منتقل کردیا جائے تو وہاں اسے کافر ملحد تصور کیا جائے گا اور اس کا وہاں سے دیس نکالا ہوجائے گا۔ اس سلسلہ میں ایک تیسرا نقطہ نظر بھی ہے وہ یہ کہ اے کے پی ایرانی انقلاب کا عکس و پرتو ہے، ایران کے علی اکبر ناطق نوری کی یہی رائے ہے۔ واضح رہے کہ وہ ایک زیرک عالم سیاست داں ہیں اور مجلس کے اسپیکر ہونے کے ساتھ ساتھ ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کے مشیر بھی ہیں، گزشتہ اتوار کو انہوں نے اپنے اس خیال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ایران جب انقلاب کو برآمد کرنے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اسے تیار کریں گے پھر اسے ٹرکوں یا مال بردار کشتیوں اور جہازوں پر لاد کر دوسرے ملکوں کو منتقل کریں گے یا کرتے ہیں بلکہ اس کا مطلب انقلاب کی روح اور پیغام کو پھیلانا ہوتا ہے، جناب ناطق نوری یہ کہتے ہیں کہ ترکی کا آسمان اور زمین بدل چکے ہیں اور اس کا اظہار حماس کی غیر معمولی بلکہ بے پناہ حمایت کی صورت میں ظاہر ہوچکا ہے۔ سوئٹزر لینڈ کے ایک تفریحی مقام ڈاوس میں منعقدہ عالمی اقتصادی فورم کے اجلاس کے دوران گزشتہ جمعرات کو ترک وزیراعظم رجب طیب اردگان اور اسرائیلی صدر شمعون پیریز کے درمیان جو نوک جھونک ہوئی اور جسے پوری دنیا نے ٹی وی پر دیکھا اس نے پورے عالم اسلام کو جگادیا، اس میں شیعہ-سنی کی تمیز اٹھ گئی۔ ترک وزیراعظم اردگان بر چشم زدن میں عالم اسلام کے ہیرو بن گئے اور انہیں عثمانی سلطان کا درجہ حاصل ہوگیا۔ یاد رہے اس عثمانی خلافت کا پرچم کبھی عراق کے سبزہ زاروں، عرب کے ریگزاروں، وادی نیل، مشرقی بحیرہ روم، مغربی اور قلب افریقہ پر لہراتا تھا، یہ پورا خطہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا اور اس پر اس کی عملداری قائم تھی۔

اردگان کا تعلق استانبول کے قاسم پورہ ضلع سے ہے، وہ خود ایک معمولی انسان تھے۔ قاسم پورہ ضلع محنت کشوں کی آبادی پر مشتمل ہے، ان کا سیاسی کیریئر بڑے نشیب وفراز سے گزرا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ ترکی کے ایک ایسے سیاست داں ہیں جن کی زندگی میں بڑی کشش اور زبردست تابنا کی موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی زندگی میں ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے یا وہ اس کا تصور کرسکتے ہیں کہ ان کا نام نوبل امن انعام کے لیے تجویز کیا جائے گا یا ان کا سرپرست وضامن اور پشتیبان دنیائے شیعت کی کوئی عظیم و مایہ ناز ہستی ہوگی۔ آیت اللہ ناصر مکرم شیرازی نے گزشتہ اتوار کو قم میں دینی علوم حاصل کرنے والے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے گویا اس کا ثبوت پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اردگان کے احتجاج کا خطہ کی سلامتی پر بڑا گہرا اثر مرتب ہوگا۔ نوبل انعام کے لیے اردگان کے دعوئی کا دارو مدار ان کے ان 56 الفاظ پر ہے جو انہوں نے داوس میں ٹیلی ویژن شو کے دوران ادا کیے۔ انہوں نے پیریز کو یاد دلایا کہ وہ عمر میں ان سے بڑے ہیں پھر بھی ان کی آواز ان سے (یعنی مسٹر اردگان سے) اونچی تھی، اونچی آواز میں بولنا ان کی نفسیاتی کمزوری اور دل کے چور کو ظاہر کرتا ہے، مگر وہ اپنی آواز اس طرح بلند نہیں کریں گے، جب قتل کرنے کی بات آتی ہے آپ جانتے ہیں کہ قتل کیسے کیا جاتا ہے، انہیں خوب معلوم ہے کہ انہوں نے کس طرح ضرب لگائی اور ساحل سمندر پر بچوں کا کس طرح قتل عام کیا۔ طیش کے عالم میں ادا کیے گئے ان 56 الفاظ کی گونج یا صدائے بازگشت اس قدر شدید تھی کہ اس کو دبانا مشکل ہوگیا، یہ اس دوری اور نفرت کو بتا رہا ہے جس میں آج پورا مشرق وسطیٰ ڈوبا ہوا ہے، مسٹر اردگان دیکھتے دیکھتے لبنان کے حسن نصر اللہ اور ایران کے محمود احمدی نژاد کے ساتھ کھڑے نظر آئے جس نے مسلم دنیا کی تاریخی کمزوریوں اور فرقوں کی بنیاد پر تقسیم کو مٹا دیا، امریکی صدر بارک اوباما کے لیے اس میں سوچنے سمجھنے کے لیے بہت کچھ سبق ہے۔

مسٹر اردگان جب داوس سے استانبول پہنچے تو ان کا والہانہ اور پرتپاک خیر مقدم کیا گیا، رائے عامہ کے جائزے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ 80 فی صد ترک باشندوں نے ان کے موقف کی پرزور تائید وحمایت کی۔ غزہ میں تو وہ ایک مثالی اور ہر دلعزیز شخصیت بن گئے۔ یہاں تک کہ مغرب نواز عرب حکمرانوں کو خوف لاحق ہونے لگا اور وہ مضطرب ہو اٹھے۔ مشرق وسطیٰ کی سنی دنیا پر ترکی کی چھاپ اور بھی گہری ہوگئی۔ ایران کے لیے یہ ایک خوش آئند امر تھا، ایران کے رہنما اس سے اس درجہ مغلوب ہوئے کہ ایران کی سب سے بڑی کونسل کے سربراہ آیت اللہ احمد خمینی نے اردگان کو پیغام بھیجا کہ انہوں نے جس مثالی جرأت و ہمت کا ثبوت پیش کیا ہے اس نے حماس اور اس کے حامیوں کا دل جیت لیا اور بہت سی عرب ریاستوں کا لیڈروں کو شرمسار کردیا، خود ترکی میں یہ حالت ہوگئی کہ ترکی کی مناقشت پر مبنی پہچان بالکل کھل کر سامنے آگئی۔ استانبول کی مغرب نواز اشرافیہ کی امراشاہی کو ایسا محسوس ہو جیسے وہ رسوا ہوگئی۔ اسے لگا کہ مبادا اردگان یورپ میں ترکی کی شائستہ تصویر بنانے میں کہیں کامیاب نہ ہوجائیں، دوسری طرف اناطولیہ کے ترکسوں کی نظر میں جن کے پاس تاریخ اور کلچر غیر منقسم شعور ہے، مسٹر اردگان کا یہ عمل فتح کے شادیانے بجانے والا ہے کہ انہوں نے مسلم مشرق اوسط میں ترکی کی قدیم حیثیت کو بحال کرنے کی کوشش کی ہے۔

عہد عثمانی کا احیاء

اے کے پی ایجنڈے میں عہد عثمانی کا احیاء شامل ہے۔ پچھلے ہفتہ اس کو زبردست تقویت ملی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس مرحلے کا بس آغاز ہوا چاہتا ہے جس کا سارا زور ترکی کی استعماری وراثت کو زندہ کرنے پر ہوگا۔ ساتھ ہی ترکی کی ایک قومی پہچان بنانے اور تمام اختلافات کو مٹا دینے کا دشوار گزار عمل جاری ہے۔ اے کے پی کا سات سالہ دور حکومت مسلم اور عثمانی وراثت کی بازیابی کے نہایت دشوار گزار عمل سے عبارت ہے، عام خیال کے برعکس عہد عثمانی کے احیاء کا عمل نہ تو اسلامی ہے اور نہ استعماری، اس نے اسلام کی مشترکہ تعلیم کو ترکیت کے حصول کی خاطر استعمال کیا جو ایک نسلی تصور نہیں ہے بلکہ جنگجوئیت پر مبنی سیکولرزم کے مقابلہ میں ترکی کے کثیر نسلی ریاستی کیریئر سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

جہاں تک خارجہ پالیسی کا تعلق ہے تو عہد عثمانی کا احیاء ایک پرشکوہ ایجنڈا ہے۔ ایک معروف کالم نگار عمر طاسپنر نے لکھا ہے ”عہد عثمانی کے احیاء کے تصور کے مطابق ترکی کو ایک علاقائی طاقت بنانا ہے۔ اس کے اسٹریجک وژن اور ثقافتی پرتو جغرافیائی پیچ میں عثمانی اور بازنطینی سلطنتیں شامل ہیں۔ لہٰذا ترکی کو ایک کلیدی ریاست کے طور پر اہم سیاسی اور سفارتی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں اور ایک بڑے دائرے میں جس کا کہ وہ مرکز ہے۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ استانبول اور انقرہ میں مسٹر اردگان کے جو مغرب نواز ناقد موجود ہیں انہیں بھی اردگان کی خارجہ پالیسی کے اس ایجنڈے میں نہ پان ترک عناصر نظر آرہے ہیں نہ پان اسلامک اور نہ اس میں انہیں خواہ مخواہ کی مہم جوئی ہی نظر آرہی جو ترک کے مفادات کے لیے نقصان دہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ترکی مغرب سے منہ موڑ رہا ہے جیسا کہ طاسپنر کا کہنا ہے کہ سلطنت عثمانیہ کو یورپ کا مرد بیمار کہا جاتا تھا، ایشیا اور عرب کا نہیں۔ مغرب اور مغربی اثرات کے لیے ترکی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور پورے دور عثمانی کا یہ خاصہ رہا ہے، اس لیے اردگان کی مشرق اوسط کی جو پالیسی ہے اس کا یہ مطلب نہیں نکالنا چاہیے کہ وہ یورپی یونین کی ممبری حاصل کرنے کی کوشش ترک کردیں گے یا واشنگٹن کے تعلقات اور روابط توڑ لیں گے۔

یہ امر بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ داوس میں جو کچھ ہوا اس کا اثر ترک-اسرائیل تعلقات پر پڑا ہے مگر دونوں طرف سے حالات کو معمول پر لانے اور جذبات پر قابو پانے کی کوشش ہوئی اس سے یہ معمول پر آگئے یا بحال ہوگئے۔ ترک فوج کی طرف سے یہ واضح کردیا گیا کہ ترک کے فوجی نوعیت کے تعلقات اور اشتراک وتعاون جس ملک کے ساتھ بھی ہیں ان میں ترکی کے مفادات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان میں اسرائیل بھی شامل ہے۔ زیپی لیونی کا کہنا ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہوئی ہے اس کی پردہ دری ممکن نہیں ہے مگر دونوں ملکوں کے لیے باہمی تعلقات اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انقرہ کو معلوم ہے کہ باہمی تعلقات اور غزہ کے واقعہ پر تنقید دو الگ الگ چیزیں ہیں، امریکہ میں موجود یہودی گروپ بھی اس رنجش اور اختلاف کو کم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

اردگان نے واشنگٹن پوسٹ کو بتایا کہ ترکی کی کوششوں کے نتیجے میں اسرائیل اور شام بہت قریب آگئے تھے اور گولان کی پہاڑیوں کے مستقبل کے سوال پر براہ راست مذاکرات کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ 23 دسمبر کو جب اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے ترکی کا دورہ کیا تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے اردگان سے یہ چھپایا کہ اسرائیل نے ان کے لوٹنے کے چار دن بعد غزہ پر حملے کا فیصلہ کیا ہے بلکہ انہوں نے ترک لیڈر کو اس کی یقین دہانی بھی کرائی کہ واپس پہنچتے ہی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلاح ومشورہ کرکے شام کے ساتھ بات چیت کے لیے آئیں گے۔ ابھی مسٹر اولمرٹ انقرہ میں ہی تھے کہ مسٹر اردگان نے حماس کے رہنما اسماعیل ہنیہ سے فون پر بات کی اور ان امور پر بات چیت کی جن پر اسرائیلی وزیراعظم کے ساتھ بات چیت ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اردگان کا احساس برحق ہے کہ اس کو اندھیرے میں رکھ کر گویا ان کے ساتھ فریب کیا گیا، اس لیے ان کا کہنا ہے کہ غزہ کا آپریشن ترکی کو رسوا کرنے اور اس کے تئیں عدم احترام کے مترادف ہے، لیکن یہ سب کو معلوم ہے کہ اسرائیل کی یہ عادت ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے مفادات کو عزیز رکھتا ہے۔

اسرائیل مخالف احتجاج ومظاہرے

جب ترکی میں یہ خبریں پہنچنے لگیں کہ اسرائیل غزہ میں بے پناہ مظالم ڈھارہا ہے تو وہاں اس کے خلاف شدید غم وغصہ ابھرا مگر اسرائیل کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ الٹا اس نے اردگان پر 'جذباتی' ہونے کا الزام عائد کردیا۔ اس پر انہوں نے بلند آواز میں کہا کہ وہ بے قابو نہیں ہورہے ہیں اور جذباتی بھی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا 'وہ سلطنت عثمانیہ کے پوتے کی حیثیت سے بول رہے ہیں، یہ سلطنت عثمانیہ ہی تھی کہ جس نے اپنی سرزمین پر اس وقت آپ کے آباء کا خیر مقدم کیا تھا اور اپنے دروازے کھول دیے تھے جب وہ بے وطن ہوگئے تھے اور دردر کی ٹھوکریں کھارہے تھے اور ہر جگہ سے نکالے جارہے تھے۔ تاہم (اولمرٹ اور لیونی) کو انسانیت کو داغ دار کرنے والا کہے گی، تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی کہ جن شدائد ومصائب سے وہ گزرے دوسروں پر انہوں نے وہ ہی شدائد ومصائب ڈھائے' اس سے اسرائیل کو زیادہ نقصان پہنچا کہ اس نے اعتبار کھودیا۔ اس وقت خطہ میں ترکی کے بہت سارے دوست ہیں اور اسرائیل کا کوئی بھی نہیں یا شاید ہی کوئی ہو۔ اسرائیل کو مشرق اوسط میں ایسا کوئی دوسرا دوست نہیں ملے گا جو ترکی کی جگہ پر کرسکے۔ متوقع امریکہ-ایران روابط اور علاقے میں نئی متوقع صف بندی کے پیش نظر اسرائیل اور مغرب نواز عرب ریاستوں کو ترکی کی ضرورت محسوس ہوگی جو توازن برقرار رکھ سکے۔ عراق اب وہ کردار ادا کرنے سے رہا، ایران کی طرف سے اردگان کے لیے کلمات خیر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تہران کو مستقبل میں حالات کی کروٹوں کا علم وادراک ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسرائیل پر جوالامنتاہی خوف طاری ہے کیا وہ اسے یوں ہی ستاتا رہے گا۔ پہلی مرتبہ اناطولیہ کے قلب میں یہودی مخالف لہر اس قدر نمایاں ہوکر سامنے آئی ہے جب یہودی پوری دنیا سے نکالے جارہے تھے اور دربدری کا شکار تھے اس وقت انہیں اناطولیہ میں پناہ ملی تھی کیا یہ تاریخی حقیقت اب قصہ پارینہ بن جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔ ظاہر ہے یہودیوں پر عائد ہوگی۔ کیا اسرائیلی لیڈر یہ الزام اپنے سرلینے کو تیار ہیں لیکن انہیں اسے لینا ہی پڑے گا۔

(مضمون نگار سابق سفارت کار ہیں اور ترکی میں ہندوستان کے سفیر رہ چکے ہیں۔ روزنامہ ہندو سے ترجمہ)

سرمایہ داروں اور ”چھوٹے سردار“ کا انسانیت دشمن اتحاد

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی

> گجرات بھارت کی ان ریاستوں میں سے ایک ہے جہاں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کا تناسب خطرناک حد تک کم ہوگیا ہے۔ اسی ”دھڑکتے ہوئے گجرات“ کا انسانی ترقی کا اشاریہ بھارت کی دوسری ریاستوں سے بہت کم ہے۔ اقوام متحدہ کی انسانی ترقی کو ناپنے کے پیمانہ میں صحت، تعلیم، بچپن کی موت، روزگار زیادہ اہم ہیں نہ کہ وہاں بیرونی ممالک سے کتنی سرمایہ کاری ہورہی ہے اس کا پیمانہ بنایا گیا ہے۔ پھر وہاں ہوئی مسلم کشی کو کیسے بھلایا یا معاف کیا جاسکتا۔

دو اہم صنعتی گھرانوں امبانی اور متل کے ذریعہ گجرات کے بدنام زمانہ وزیراعلیٰ نریندر مودی کی تعریف اور انہیں ملک کی وزارت عظمیٰ کے لیے لائق ترین امیدوار بتایا جانا ہمارے ملک میں بہنے والی ہوا کے رخ کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہے۔ ایک بڑے ہندی اخبار نے ایک سروے کے حوالے سے بتایا کہ 75% ہندوستانی اس رائے سے متفق ہیں۔ اخبار نے کن لوگوں میں یہ سروے کرایا اور کتنے لوگوں میں کرایا قطع نظر اس کے یہ بات واضح ہے کہ متوسط، اعلیٰ متوسط تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت اس نہج پر سوچتی ہے۔ ہندوستان میں دہشت گردی کے شکار اب تک عام لوگ ہوتے رہے تھے یہ شاید پہلا موقع تھا کہ عام لوگوں کے ساتھ (C.S.T. والوں کے ساتھ) ہوٹل تاج، ٹرائی ڈینٹ میں آنے والے سپر کلاس انڈین نشانہ بنے تو وہ غصہ میں پاگل ہوگئے اور انہوں نے سارے سیاسی طبقہ کو ہی نشانے پر رکھ لیا۔ حتیٰ کہ نریندر مودی جیسے بے انصاف اور ظالم حکمراں کو دیش کا حکمراں اعلیٰ بنانے کے خواب دیکھنے لگے۔

آج انڈیا کے ان سپر کلاس انڈین کی دیش بھکتی کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی ان کے آدرش پُرش کی کارگزاریوں کو بھی مسلم قتل عام کے علاوہ دیکھے جانے کی ضرورت ہے۔ دہشت گردی کے معاملے میں اور عوام کی حفاظت کے معاملے میں ان کا ریکارڈ اکشر دھام پر حملہ، سابق ریاستی وزیر داخلہ ہرین پانڈیا کا قتل، احمد آباد بم دھماکہ اور سورت میں درجنوں مقامات پر بموں کا نصب کیا جانا 'لوہ پرش' کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔ رتن ٹاٹا کی نینو کار کے لیے کروڑوں روپیہ کے ٹیکسوں کو معاف کرنے والے ”چھوٹے سردار“ نے اپنے پچھواڑہ سورت میں ہیرے کی صنعت سے متعلق مندی کی مار جھیل رہے ہزاروں کاریگروں کے بے روزگار ہوکر خودکشی کرنے سے روکنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ 'زندہ گجرات' کا نعرہ لگانے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ گجرات بھارت کی ان ریاستوں میں سے ایک ہے جہاں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کا تناسب خطرناک حد تک کم ہوگیا ہے۔ اسی ”دھڑکتے ہوئے گجرات“ کا انسانی ترقی کا اشاریہ بھارت کی دوسری ریاستوں سے بہت کم ہے۔ اقوام متحدہ کی انسانی ترقی کو ناپنے کے پیمانہ میں صحت، تعلیم، بچپن کی موت، روزگار زیادہ اہم ہیں نہ کہ وہاں بیرونی ممالک سے کتنی سرمایہ کاری ہورہی ہے اس کا پیمانہ بنایا گیا ہے۔ پھر وہاں ہوئی مسلم کشی کو کیسے بھلایا یا معاف کیا جاسکتا، جب کہ وہاں مسلم کشی کے زمانہ کے محکمہ خفیہ کے ڈائریکٹر جنرل آر بی شری کمار اپنی نیم سرکاری ڈائری کورٹ میں پیش کرچکے ہیں جس میں بتایا گیا تھا کہ مودی نے خود اعلیٰ پولس افسران کو ہدایت دی تھی کہ وہ گودھرا کے نام پر احتجاج کرنے والے ہندوؤں کو ردعمل، بھڑاس نکالنے کا موقع دیں۔ ان کے خلاف فوری کارروائی نہ کریں۔ مسلم کش فسادات کے ایک بھی مجرم کو سزا نہ ملنا کیا خود مودی کے طرز حکومت کی عکاسی نہیں کرتا؟ جس طرح سہراب الدین اور اس کی بیوی کوثر بی کو عصمت ریزی کے بعد قتل کیا گیا کیا یہ بھی امبانی اور متل جیسے گھرانوں کے لیے بہترین حکمراں کا ہی طرز عمل کہلائے گا؟ جس طرح مودی کے دور حکومت میں اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کو دہشت زدہ رکھا گیا کیا وہ بھی ان کے مثالی رہنما ہونے کی نشانی ہے؟

خود ان سرمایہ داروں کے عمومی کردار کو بھی حقائق اور واقعات کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے۔ جس طرح ان سرمایہ داروں نے تمام سیاستدانوں کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک داغدار سیاستداں کو اپنا مثالی لیڈر بتایا ہے خود اس سرمایہ دار طبقہ کی ”ایمان داری، انسانیت نوازی“ اور ”دیش بھکتی“ پر سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے۔ ہندوستان کی آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے۔ اس کے خوشحال طبقہ کی تعداد 30-20 کروڑ کے درمیان ہوگی مگر دنیا میں سب سے کم ٹیکس ادا کرنے والے ممالک میں اس کا شمار ہوتا ہے کیونکہ زیادہ تر خوشحال طبقہ ٹیکس چور ہے۔ ایک سوبیں کروڑ کے ملک میں انکم ٹیکس دینے والے ایک کروڑ بھی نہیں ہیں جو ہیں بھی وہ مجبوری کے مارے بھاگ نہ سکنے والے سرکاری ملازمین ہی ہیں۔ امبانی سیٹھ کے والد نے کس طرح ایک معمولی کیش ایجنٹ سے ارب پتی تک کی منزلیں طے کی ہیں اور اس میں سرکاروں کو کتنا چونا لگایا گیا ہے وہ بار بار اخبارات میں آتا رہا ہے جب کہ دولت کے بوتے پر اسے خوب دبایا جارہا ہے۔ حال ہی میں جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق ہندوستان میں سب سے زیادہ انکم ٹیکس شاہ رخ خاں 12 کروڑ روپیہ ادا کرتے ہیں، مایاوتی 8 کروڑ روپیہ کے لگ بھگ اور دیش بھگت امبانی 4.5 کروڑ روپے ادا کرتے ہیں۔ پورے سرمایہ دار طبقہ کی تصویر دیکھنا چاہیں تو وہ بھی دیکھ لیں۔

سرکاری بینکوں نے کارپوریٹ سیکٹر کو اب تک نوے ہزار کروڑ روپیہ ادھار دیا جو ڈوب گیا ہے جسے NPA نان پرفارمنگ ایسیٹ بناکر معاف کردیا جاتا ہے۔ 2006-07 میں کارپوریٹ سیکٹر کو دی جانے والی رعایتوں سے مرکزی سرکار کو 249712 کروڑ روپیہ کا نقصان ہوا اور 2007-08 میں یہ نقصان 278644 کروڑ روپیہ کا تھا۔ اعداد وشمار خود مسٹر چدمبرم نے بجٹ پیش کرتے ہوئے پیش کیے تھے۔ یہ نقصان کل وصول کیے گئے ٹیکس کا 51% تھا۔ یعنی جتنی وصولی ہوئی اس سے زیادہ کی چھوٹ دی گئی۔ ہمارا سرمایہ داروں کے حامی پریس نے کسانوں کی دی گئی 60000 کروڑ کی قرض معافی پر ہنگامہ کیا اگر پچھلے دو سالوں کے درمیان گنوائے گئے ٹیکس اثاثہ کو جوڑ لیں تو یہ 518356 کروڑ روپیہ ہوگا جو کسانوں کی قرض معافی کی رقم کی نوگنی، زرعی سبسڈی کی 16 گنی، کھاد سبسڈی کی 17 گنی اور تمام سبسڈیوں کی مجموعی رقم کی 8 گنی ہے۔ سرکار کے 65524 کروڑ روپیہ مختلف ٹیکس جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور 33768 کروڑ روپیہ کی رقم سرکار وصول نہیں کرپارہی ہے۔ اس طرح کل 99293 کروڑ روپیہ سرکار کا سرمایہ داروں کے پاس پھنسا ہوا ہے۔ (آنند پردھان، جن ستہ 13-3-08)

ان سرمایہ داروں میں انسانی ہمدردی کتنی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اناج کی کمی کی خبروں پر انہوں نے کس طرح داموں کو سٹہ بازاری کے ذریعہ بڑھایا۔ مصنوعی قلت پیدا کی اور گوداموں میں رکھے آٹا، دال، چاول، تیل کے دام 40% تک بڑھا دیے۔ آج ہمارے ملک کی معیشت کو بلیک منی 'کالے دھن' کا کینسر لگا ہوا ہے۔ خود سرکاری اعداد وشمار کے مطابق اس رقم کا اندازہ تقریباً اتنا ہی ہے جتنا کل سفید دولت کا ہے۔ ظاہر ہے اس میں بھی یہی سفید پوش دیش بھگت سرمایہ دار آگے ہیں۔ CBI کے سابق جوائنٹ ڈائریکٹر بی آر لال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کا بیرونی ممالک میں اتنا سرمایہ ہے جو ہندوستان کے 35 سال کے بجٹ کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے دنوں جب جرمن حکومت نے تمام دنیا کے ممالک سے کہا کہ اسے سوئس بنکوں میں جمع غیر ملکی رقم کی تفصیل مل گئی ہے جو ممالک یہ تفصیل لینا چاہیں لے لیں مگر تیسری دنیا کے کسی ملک نے یہ تفصیل نہیں مانگی۔ سپریم کورٹ میں مفاد عامہ کی ایک رٹ کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حکومت جرمنی سے یہ تفصیل منگوانے کے لیے حکم جاری کرے۔ دنیا بھر کے سرمایہ داروں کے طریقے عموماً ایک ہی جیسے انسانیت دشمن اور استحصال پسندی کے ہوتے ہیں۔ ستیم گھوٹالہ کوئی نیا نہیں ہے۔ امریکی بنکوں اور مالی اداروں میں بھی وہی کچھ ہوا ہے۔

جس انسانیت دشمن حکمراں کی تعریف امبانی اور متل نے کی ہے اسے ہندوستان کی عدالت عالیہ نے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اس کے یہاں ہوئے مسلم کش فسادات کی جانچ وہاں کے افسران سے کرائی جائے۔ یہ جانچ پڑوسی صوبہ مہاراشٹر میں چل رہی ہے۔ اسی عدالت عالیہ نے اس حکمراں کو ”نیرو“ سے تشبیہ دی۔ اگر ملک کی سب سے بڑی عدالت ایک حکمراں پر اتنا عدم اعتماد ظاہر کرتی ہے اور اس کے خلاف زبردست مذمتی زبان استعمال کرتی ہے اور یہ نام نہاد سفید پوش امن پسند اس کو وزیراعظم بنانے کی وکالت کرتے ہیں تو یہ طرز عمل کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ مالیگاؤں دھماکہ کی جانچ کررہے مہاراشٹر A.T.S. نے اپنی تحقیقات میں دہشت گرد تنظیم 'ابھینو بھارت' کے ملکی رابطہ کار کے حوالہ سے بتایا کہ 'ابھینو بھارت' کو مہاراشٹر، گجرات اور جموں کے بڑے سرمایہ دار گھرانوں کا مالی تعاون ایک گجرات سوامی کے توسط سے حاصل تھا۔ یہ بیانات 20 نومبر 2008 کے اخباروں میں آئے اور محض 4-3 دنوں کے اندر ممبئی پر ”آتنک وادی حملہ“ ہوگیا کہا جارہا ہے کہ ”آتنک وادی“ گجرات کے محفوظ ساحل سے ہوکر آئے تھے۔ جہاں پر ”لوہ پرش“ کی حکومت ہے۔ (راشٹریہ سہارا، ہندوستان ٹائمز 20/11/08)

حکمرانوں کا ”راج دھرم“ پورے سماج کی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے۔ ان کے لیے روٹی، کپڑا، مکان، حفاظت اور انصاف مہیا کرانا یا صرف بڑے بڑے کارخانہ داروں کو رعایتیں دے کر ان کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ اگر کسی حکمراں کے کسی ایک ہی رخ اور کارگزاری کو کسوٹی مان لیا جائے تو دنیا میں تاریخ کا بدترین ظالم ڈکٹیٹر ہٹلر ہلاکو، چنگیز سب کے کچھ نہ کچھ پہلو ہوں گے۔ دنیا کے تمام بڑے مشہور ڈاکو امیروں کو لوٹ کر غریبوں کی مدد کرتے تھے ایک یہ پہلو تو ان کا بھی اچھا تھا؟

اس تمام بحث میں ایک پہلو خاص طور سے امت مسلمہ کی جماعتوں کو توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے ملک کا موثر، پڑھا لکھا، برسراقتدار طبقہ دن بدن اسلام مخالف کیوں ہورہا ہے؟ ہم سے کہاں چوک ہورہی ہے؟ ہم اسلام کی طرف سے معذرت کے بجائے دعوت کا رویہ اپنائیں تو شاید انسانیت کی بڑی خدمت کرسکتے ہیں۔ ●ے●

اوباما سیاسی قلابازی کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں؟

نیر زیدی (واشنگٹن)

دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں نے جنگی قیدیوں کو واٹر بورڈنگ نامی تکنیک سے اذیت پہنچائی تھی۔ اس اذیت کے دوران قیدی کو احساس ہوتا ہے کہ وہ ڈوب رہا ہے۔ ہاتھ، پیر استعمال نہ کر پانے کی وجہ سے اسے بے بسی کی موت کا احساس ہوتا ہے۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں کمبوڈیا کی حکومت نے بھی اذیت رسانی کا یہی طریقہ استعمال کیا تھا۔ اس وقت دنیا بھر کی انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس کی مذمت کی تھی اور اس میں مغرب پیش پیش تھا۔ قیدیوں کو اذیت دینے کے حوالے سے تاریخ میں دوسری جنگ عظیم کی جاپانی اور اس کے بعد کمبوڈیا کی حکومتیں صف اول میں ہیں۔ بعض اوقات اذیت رسانی ایسی ہوتی ہے کہ اس سے موت بہتر ہے۔

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد کیوبا کے امریکی فوجی اڈے گوانتاناموبے میں کم از کم نصف درجن مسلمان قیدیوں کو مندرجہ بالا طریقے سے اذیت رسانی کا نشانہ بنایا گیا۔ جب اس کا میڈیا میں انکشاف ہوا اور کانگریس میں کافی لے دے شروع ہوئی تو بش انتظامیہ نے قیدیوں سے انفارمیشن حاصل کرنے کا جواز دے کر اس غیر انسانی طریقہ کار کا دفاع کیا۔ جارج ڈبلیو بش کی دوسری مدت صدارت کے آخری سال میں اٹارنی جنرل نے سماعتوں کے دوران اس کا زبردست دفاع کیا۔

صدر بارک اوبامہ نے Change یعنی تبدیلی کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی ایک واضح علامت ان کے حلف لینے سے چند روز پہلے سامنے آئی۔ انھوں نے اٹارنی جنرل کے لئے ایرک بی ہولڈر کو نامزد کیا ہے، جو کلنٹن انتظامیہ میں ڈپٹی اٹارنی جنرل تھے۔ اگر ان کے نام کی توثیق ہوگئی تو وہ امریکہ کی تاریخ میں پہلے سیاہ فام اٹارنی جنرل ہوں گے۔ ۱۶؍جنوری کو سینیٹ کی ایک کارروائی کے دوران انھوں نے بیان دیا کہ واٹر بورڈنگ اذیت رسانی ہے۔

اس سے پہلے بش حکومت نے اسے اذیت رسانی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر یہ اذیت رسانی ہے تو پھر امریکہ جنگی جرم کا مرتکب ہوا ہے۔ ابتدائی ردعمل میں ''نیویارک ٹائمز'' نے کہا ہے کہ اس صورت میں ایسے قانونی اور سیاسی نتائج کا دروازہ کھل جاتا ہے، جن کے بارے میں یہ پیش گوئی کی جا سکتی کہ وہ کس سمت میں لے جائیں گے۔

انصاف کی راہ روکنے میں وزارت انصاف کی سرپرستی کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، ''حلال وحرام'' کے فتوے اسی وزارت سے آتے ہیں، انتظامیہ ان کے مشوروں پر عمل کرتی ہے، عدالتیں انھی کے مشوروں کا سہارا لیتی ہیں۔ بش انتظامیہ میں ہر قسم کی اذیت رسانی کو قانونی قرار دیا گیا تھا۔ ملٹری کمیشن ایکٹ آف ۲۰۰۶ء میں انسداد دہشت گردی کے حوالے سے پوچھ گچھ کرنے والے تمام ملازمین کو اذیت رسانی کے لئے قانونی تحفظ دیا گیا ہے۔

گزشتہ چند برسوں میں بعض وفاقی عدالتوں نے بش انتظامیہ کے خلاف فیصلے دیے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے وزارت دفاع کی ایک خاتون افسر نے ''واشنگٹن پوسٹ'' کو بتایا تھا کہ انھوں نے کیوبا میں امریکی بحری اڈے پر ایک قیدی محمد القحطانی پر مقدمہ چلانے کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ اسے اذیت رسانی کا نشانہ بنایا گیا تھا، مسٹر ایرک ہولڈر کا بیان اس انٹرویو کے دو روز بعد آیا تھا۔

ایسا بیان دینے کے بعد نئے اٹارنی جنرل کے لئے اسے نظرانداز کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ انھوں نے یہ بیان محض ذاتی صوابدید پر دیا ہے۔ امریکی بحری اڈے پر غیر ملکی اور زیادہ تر مسلمان قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے فوراً بعد سے ایک موضوع بحث ہے کہ اذیت رسانی قانونی ہے یا نہیں..... گرما گرم موضوع تھا اور ہے۔ جرائم کی تحقیقات اٹارنی جنرل کی ذمہ داری ہے، مسٹر ہولڈر اب اپنے بیان کو بھولنا بھی چاہیں تب بھی کانگریس کے اکثریتی ڈیموکریٹ اراکین اور میڈیا انہیں بھولنے نہیں دے گا۔

اذیت رسانی کے طریقے استعمال کرنے والوں کے خلاف فرداً فرداً فوجداری مقدمات قائم کرنا مشکل ہوگا۔ انھوں نے حکومت وقت اور قانون وقت کے تحت ''خدمات'' انجام دی تھیں، حالانکہ دوسری جنگ عظیم میں ہارنے والی اقوام کے عہدیداران کے مقدمات میں یہ دلیل مسترد کر دی گئی تھی، حتیٰ کہ قید خانوں کے محافظوں کو تلاش کر کے ان پر واقعے کے ۵۰ برس بعد بھی مقدمات چلائے گئے۔ اب کسی حکومت کے فیصلوں میں گارڈ بے چارے کی کیا حیثیت ہے، وہ تو روزی کما رہا تھا لیکن جیتنے والوں کی اپنی دلیل اور منطق ہوتی ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ نے اذیت رسانی کے خلاف بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کئے ہیں، چونکہ اذیت رسانی اب انسانی حقوق کے کارکنوں کا الزام نہیں ہے بلکہ ایک حکومت کے اٹارنی جنرل کا اعتراف ہے لہٰذا بین الاقوامی دباؤ بھی آ سکتا ہے اور آئے گا۔

معاہدے کے مطابق اگر ایک معقول بنیاد کے مطابق یہ پتہ چلے کہ اذیت رسانی کا کوئی بھی عمل کسی ملک کی سرزمین پر ہوا ہے تو اس کی فوری اور غیر جانبدارانہ تحقیقات ہونی چاہئے۔ بش انتظامیہ کی دلیل تھی کہ کیوبا میں پٹے پر لئے گئے علاقے پر قائم بحری اڈہ امریکی علاقہ نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ کس کا علاقہ ہے؟ ظاہر ہے کہ کیوبا کا قانون تو وہاں نافذ نہیں ہے، جھنڈا کس کا لہراتا ہے..... امریکہ کا یا کیوبا کا؟ مقدمات شاید نہ چلیں لیکن حقائق معلوم کرنے کے لئے ایک غیر جانبدارانہ کمیشن کے ذریعے تحقیقات کرانے کا دباؤ ضرور آئے گا۔

سینیٹ میں نئے اٹارنی جنرل کی توثیق سماعت میں ایک سینئر ری پبلکن سینیٹر نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ پوچھ گچھ کے پروگرام کی فوجداری تحقیقات کروائیں گے؟ مسٹر ہولڈر نے کہا: ''کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہے، ہم ثبوت کے اشارے پر چلیں گے یعنی حقائق اور قانون اور یہ جس سمت میں ہمیں لے جاتا ہے، ہم جائیں گے''۔ ان کا یہ بیان معنی خیز تھا: ''میرے خیال میں مجھے ایک کام یہ کرنا ہے کہ میں اس صورتحال سے واقفیت حاصل کروں، جس کی وجہ سے ایسی پالیسیوں کو نافذ کرنا پڑا''۔ کیا یہ راہ فرار ہے......؟ اذیت رسانی کسی بھی صورتحال میں جائز نہیں ہے، عذر گناہ بدتر از گناہ......!!!

صدر بارک اوباما نے بھی ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ وہ بش انتظامیہ کی جنگی پالیسیوں کے خلاف کسی وسیع تحقیقات کا حکم نہیں دیں گے۔ انھوں نے انتخابی مہم میں ان پالیسیوں پر زبردست تنقید کی تھی اور یہ اعلان بھی کیا تھا کہ وہ کیوبا کے بحری اڈے پر قائم قید خانے بند کریں گے۔

کیا صدر بارک اوباما سیاسی قلابازی کے لئے میدان تیار کر رہے ہیں؟ مسٹر ہولڈر کی طرف سے اذیت رسانی پر بیان اور پھر راہ فرار کی علامتیں...... اسی منصوبے کا حصہ ہے؟ امید کرنی چاہئے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ میں فی الحال اس مفروضے کو قبول کر لیتا ہوں کہ صدر بارک اوباما، بش پالیسیوں پر براہ راست حملہ نہیں کرنا چاہتے۔ اٹارنی جنرل کے اس بیان سے کم از کم تحقیقات کے لئے ملکی اور غیر ملکی دباؤ کا دروازہ کھول دیا گیا ہے، اس دباؤ میں اضافہ ہوتا رہے گا اور عنقریب اس دباؤ کا حوالہ دے کر کم از کم تحقیقات کا آغاز ہوگا۔ ان پالیسیوں کے سرپرستوں کے نام ظاہر ہوں گے لیکن مقدمات اور سزائیں نہیں ہوں گی۔ فی الحال یہی غنیمت ہے۔

●●

زندہ رہنے کے حق سے محروم روہنگیا مسلمان

ترجمہ: ایس اے قدوائی

اس وقت دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جو مسلمانوں کی تذلیل اور ان کے دینی شعائر کی تضحیک اور توہین سے محفوظ ہو۔ اسلام دشمن طاقتیں برسہا برس سے مسلمانوں پر مظالم ڈھانے اور ان کا خون پانی کی طرح بہانے میں مشغول ہیں۔ مسلم کشی کا یہ عمل بلا روک ٹوک جاری ہے جس کے خاتمے کے دور دور تک آثار دکھائی نہیں دیتے۔ جب مسلم حکمراں خود ہی بے گناہ، بے بس اور مجبور مسلمانوں کے خون کے پیاسے، اسلام دشمن طاقتوں کے ہمنوا اور آلۂ کار بن کر اپنے ہی بھائیوں کے گلے کاٹنے پر اتر آئیں تو پھر غیروں سے کیا شکوہ! آج فلسطین، افغانستان، عراق کے مسلمانوں کو اسلام سے ان کی وابستگی کے ''جرم'' کی جو کڑی سزا مل رہی ہے اس پر کوئی بھی دردمند دل خون کے آنسو بہائے بنا نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں پر ظلم وجور کی یہ داستان بہت پرانی اور متاثرہ علاقوں کی فہرست بڑی طویل ہے، مگر کم یا زیادہ بہرحال دنیا ان سے کسی حد تک واقف ضرور ہے۔ بدقسمتی سے دنیا میں بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں مسلمانوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک اور لرزہ خیز مظالم ابھی تک دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ مفادات کے اسیر اور خوف خدا سے عاری مسلم حکمرانوں اور باضمیر طبقہ بالخصوص مسلم ذرائع ابلاغ کی دانستہ یا نادانستہ لاتعلقی اور چشم پوشی حد درجہ افسوسناک اور قابل مذمت ہے۔ اس کی جیتی جاگتی مثال برما کے مظلوم ''روہنگیا'' مسلمان ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں۔ برما کی سفاک فوجی حکومت نے ان ستم رسیدہ، لاچار مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے اور بلا روک ٹوک ان کی منظم نسل کشی کے گھناؤنے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ اس بارے میں ''ٹائم'' (شمارہ ۲۰؍جنوری ۲۰۰۹ء) میں ''ایشان تھروڈ'' کی یہ رپورٹ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے انسانیت سوز سلوک کی تھوڑی سی جھلک دکھاتی ہے جو انہیں درپیش مسائل و مصائب کے بحر بے کنار میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں، لیکن ضمیر میں اگر زندگی کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے یہ بھی بہت ہے۔

یہ ماہ دسمبر کے اوائل کا واقعہ ہے جب مشرقی بنگلہ دیش میں سیکڑوں افراد لکڑی کی چند بے ہنگم اور بوسیدہ کشتیوں میں بہتر زندگی کی تلاش کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ تھائی لینڈ کے جنوب مغربی ساحل پر اتر کر وہاں روزگار حاصل کرنے کی کوشش کریں گے یا پھر خوشحال مسلم ملک ملائشیا میں قسمت آزمائیں گے۔ ۲۷؍دسمبر کو بھارت کے دور افتادہ جزائر انڈمان نکوبار کے قریب ان میں سے ۹۸ افراد کو سمندر سے اس حال میں نکالا گیا کہ وہ بھوک اور پیاس سے نڈھال اور قریب المرگ تھے۔ ان میں سے ایک شخص مظفر نے بھارت میں عارضی حراست کے دوران ٹیلی فون پر انسانیت کی تذلیل کی جو لرزہ خیز داستان سنائی اس سے اس بارے میں شائع ہونے والی دیگر رپورٹس کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ مظفر نے کہا کہ تھائی سیکورٹی فورسز نے مجھے اور میرے دوسرے ساتھیوں کو ساحل پر زیر حراست رکھا اور پھر ہمیں موٹر سے محروم ایک بجرے پر لادا اور واپس لاکر بین الاقوامی پانیوں میں چھوڑ دیا جہاں خونخوار شارک مچھلیوں کی بہتات تھی۔ مظفر کے تین سو سے زائد ساتھی ابھی تک لاپتہ ہیں اور گمان غالب ہے کہ یہ لوگ زندہ نہیں رہے۔

ان پناہ گزینوں کے ساتھ یہ سفاکانہ سلوک محض اس لئے کیا گیا کہ ان کی حمایت اور دفاع کرنے والے عنقا ہیں۔ اراکان پروجیکٹ نے مظفر کا اصل نام پوشیدہ رکھا ہے کیونکہ وہ روہنگیا مسلم برادری کا رکن ہے۔ یہ مسلم نسلی گروپ برما اور بنگلہ دیش کی سرحد پر ناقابل برداشت حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ (اراکان پروجیکٹ بنکاک میں قائم وہ گروپ ہے جو گھربار سے محروم اور پناہ کی تلاش میں سمندروں میں بھٹکنے پر مجبور افراد کے حقوق کی حمایت اور مدد کے لئے سرگرم عمل ہے۔) آٹھ لاکھ کے لگ بھگ روہنگیا مسلمان اب بھی مغربی برما میں اس حال میں زندگی گزار رہے ہیں کہ فوجی حکومت نے انہیں شہریت اور دیگر حقوق سے یکسر محروم کر رکھا ہے، جبکہ دو لاکھ روہنگیا مسلمان بنگلہ دیش کے سرحدی علاقوں میں واقع غلیظ رفیوجی کیمپوں اور مچھیروں کی بستیوں میں کسی نہ کسی طرح گزر بسر کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اس منتشر بکھرے ہوئے نسلی گروہ کو دنیا کے کسی ملک، کسی معاشرے نے قبول نہیں کیا۔ ان کا کوئی ملک نہیں، کوئی پرسان حال نہیں کہ ان کا شمار ان بدنصیب بھولے بسرے لوگوں میں ہوتا ہے جن سے دنیا نے مکمل لاتعلقی اختیار کر لی ہے۔ اس تمام عرصے میں محرومی، مایوسی اور مصائب سے نجات کے خواہاں روہنگیا مسلمانوں نے جنوب مشرقی ایشیا کی نسبتاً آسودہ فضاؤں کی طرف فرار اور نقل مکانی کی کوششیں جاری رکھیں۔ یہ لوگ مشرقی بنگلہ دیش کے دشوار گزار دلدلی علاقوں اور خطرناک جنگلوں سے گزر کر ساحلی علاقوں تک پہنچتے اور سمندر کے راستے فرار کے خطرات مول لیتے۔ بحری سفر کے لئے وہ اکثر انسانوں کے اسمگلرز کے ہتھے چڑھ جاتے جو اپنی خدمات کا منہ مانگا معاوضہ وصول کر کے انہیں بے یار و مددگار سمندر کی خوفناک موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ جاتے۔

مظفر بھی نقل مکانی کرنے والے ایک ایسے ہی گروپ میں شامل تھا۔ اراکان پروجیکٹ کو بیان دیتے ہوئے اس نے کہا کہ ہم لوگ دو کشتیوں کے ذریعے بارہ دن کھلے سمندر میں بھٹکتے رہے اور پھر تھائی بحریہ نے پکڑ لیا اور تھائی لینڈ کے ایک بنجر ساحلی جزیرے (غالباً کھوسائی ڈینگ یاس رخ ریت کے نام سے معروف جزیرہ) میں پہنچا دیا جہاں روہنگیا مسلمانوں کے علاوہ دیگر پناہ گزین بھی زیر حراست تھے اور قیدیوں کی کل تعداد چار سو تھی۔ مظفر نے بتایا کہ آٹھ دن تک انہیں کھلے آسمان تلے رکھا گیا اور دونوں وقت کھانے کے لئے صرف دو مٹھی چاول دیے جاتے تھے اور تھائی فوجیوں کی طرف سے قیدیوں کو بری طرح زدوکوب کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ پھر تمام قیدیوں کو بحریہ کے ایک جہاز پر لاد کر کھلے سمندر میں لایا گیا۔ اس جہاز کے پیچھے کھلے عرشہ والا ایک خالی بجرا بھی بندھا ہوا تھا۔ جہاز بین الاقوامی پانیوں میں ڈیڑھ دن چلتے رہنے کے بعد رکا اور پھر فوجیوں نے تمام قیدیوں کو بجرے پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ حکم کی فوری تعمیل میں پس وپیش سے کام لینے والے چار افراد کے ہاتھ پیر باندھ کر سمندر میں پھینک دیا گیا۔ بجرا موٹر اور بادبانوں سے بھی محروم تھا۔ انہیں چار بوری چاول اور پانی کے دو ڈرم فراہم کئے گئے۔ منزل سے لاعلم اور کھلے سمندر میں بھٹکنے والے چار سو سے زائد لاچار انسانوں کے لئے یہ سامان رسد خوفناک حد تک ناکافی تھا۔ پھر تھائی بحریہ کا جہاز بجرا بیچ سمندر میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ اس علاقے میں شارک مچھلیوں کی بہتات تھی۔ دس دن سمندر میں بہتے رہنے کے بعد زمین نظر آئی اور درجنوں افراد نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیر کر کنارے تک پہنچنے کی کوشش کی، کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ کہیں لہروں کے تھپیڑے کشتی کا رخ غلط سمت میں نہ موڑ دیں۔ آخر کار بھارتی کوسٹ گارڈ نے ان کے بجرے کو دیکھ لیا اور ان تباہ حال لوگوں کو بحفاظت نکال لیا۔ بجرے میں پانی بھر رہا تھا اور اس کے تین سو مسافر لاپتہ تھے۔ کوسٹ گارڈ کا جہاز ان میں سے صرف نو افراد کو بچانے میں کامیاب ہو سکا جنہیں سمندر سے زندہ سلامت نکال لیا گیا۔ ان لوگوں کو کھانے، پینے اور دوا علاج کی سہولتیں فراہم کی گئیں اور اب انہیں انڈومان نکوبار کے دارالحکومت پورٹ بلیئر میں کیمپوں میں رکھا گیا ہے۔

۱۸؍جنوری کو تھائی لینڈ کی وزارت خارجہ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ اس بارے میں حقائق اور حالات و واقعات کی تحقیقات کی جا رہی ہے۔ تھائی میڈیا نے ایڈمرل کمتھورن پھرمیرن کے حوالے سے بتایا کہ ''تھائی نیوی نے روہنگیا مسلمانوں سے کوئی بدسلوکی نہیں کی اور انہیں کھلے سمندر میں بھٹکنے کے لئے بھی نہیں چھوڑا گیا تھا جس کا الزام عائد کیا گیا ہے''۔

خطے میں اردگرد کے علاقوں سے موصولہ اطلاعات کے مطابق مظفر کو جن حالات سے گزرنا پڑا وہ کوئی اکا دکا اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ ۱۰؍جنوری کو جکارتا پوسٹ میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق آچے کے ماہی گیروں نے سات جنوری کو ۱۹۳ روہنگیا مسلمانوں کو سمندر سے نکالا جنہیں انڈونیشیا کے نیول بیس پر رکھا گیا ہے اور ان لوگوں نے بھی یہی بیان دیا ہے کہ تھائی بحریہ کے ملاحوں نے ان کی کشتیوں میں لگے ہوئے انجن تباہ کرنے کے بعد انہیں سمندر میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ تھائی بحریہ کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے روہنگیا مسلمانوں کا یہ گروپ مجموعی طور پر ۵۸۰ افراد پر مشتمل تھا جس کے بچے کھچے افراد جزائر انڈمان نکوبار تک زندہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے، جبکہ ۱۵۲ روہنگیا مسلمانوں کی تیسری ٹولی بھی ان افراد سے تعلق رکھتی تھی جنہیں تھائی حکام نے ۱۷؍جنوری کو واپس سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ ''دی ساؤتھ چائنا مارننگ پوسٹ'' نے ان واقعات کا گہرا جائزہ لیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ دسمبر میں تھائی حکام نے کم از کم ایک ہزار مسلمانوں کو زبردستی سمندر میں دھکیلا تھا جس کے نتیجے میں ۵۳۸ افراد ہلاک ہوگئے تھے۔

واشنگٹن ڈی سی میں قائم ریفیوجیز انٹرنیشنل نامی تنظیم کی مشیر سین گارشیا کا کہنا ہے: ''روہنگیا مسلمانوں کو زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ انہیں ریاستی حقوق سے متعلق دستاویزات جاری نہیں کی جاتیں۔ انہیں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانے، مسجد کی درستی، حتیٰ کہ شادی کی اجازت کے لئے بھی درخواست دینا پڑتی ہے۔ برما کی فوجی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو جبری مشقت پر مجبور کرتی ہے۔ حکومت انہیں ملک کے غالب اکثریتی بودھ فرقہ کی زمین پر غاصبانہ قبضے کا مرتکب قرار دیتی ہے۔ شمالی اراکان کی ریاست میں، جہاں روہنگیا مسلمانوں کی اکثریت ہے، ناخواندگی کی شرح ۸۰ فیصد اور غذائی کمی کی شرح ساٹھ فیصد ہے۔

ان کچلے ہوئے ستم رسیدہ انسانوں کی یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ انہیں اقلیتی حقوق کے حامی گروپوں اور تنظیموں کی حمایت اور مدد حاصل نہیں ہے جو دیگر اقلیتوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنے اور دنیا کو اس سے آگاہ کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ گارشیا کا کہنا ہے کہ خطے کی حکومتوں کو روہنگیا مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی مشترکہ منصوبہ بندی اور اقدامات کرنے چاہئیں۔ آپ ان لوگوں سے ایسا سلوک روا نہیں رکھ سکتے کہ گویا یہ کوئی کمتر درجے کی مخلوق ہیں۔ لیکن جہاں تک ہزاروں روہنگیا پناہ گزینوں کا تعلق ہے تو یہ سلوک ان کے لئے کوئی نئی بات نہیں اور انھوں نے اسے اپنا مقدر سمجھ لیا ہے۔

●●

سرسید نے قوم کی فلاح کا راز تعلیم میں پایا تھا

عارف عزیز، بھوپال

سرسید احمد خاں علیہ الرحمہ نے جب آنکھ کھولی تو ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ انہوں نے صرف مسلمانوں کی حکومت کو ہی نہیں پوری مسلم تہذیب وتمدن کو روبہ زوال دیکھا اور اس حالت پر سنجیدگی سے غور وخوض کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر قوم نے عصری تعلیم کے میدان میں پیش رفت کر لی تو اس مرحلے سے سرخرو ہو کر گزر جائے گی۔ اسی لئے انہوں نے کہا تھا۔ ''اگر گورنمنٹ نے ہمارے کچھ حقوق اب تک ہم کو نہیں دیئے ہیں جن کی ہم کو شکایت ہے تو بھی ہائی ایجوکیشن وہ چیز ہے کہ خواہ مخواہ طوعاً وکرہاً ہم کو دلا دے گی۔''

سرسید مسلمانوں کو مشرقی علوم کے ساتھ جدید سائنسی اور مغربی تعلیم سے بھی آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ سیاسی اور معاشی بہتری اُسی وقت ممکن ہے جب مسلمان اپنی علمی صلاحیت اور تعلیمی قابلیت سے اچھے برے کی تمیز کرنا سیکھ جائیں اسی لئے وہ تعلیمی کوشش کو سب سے مقدم تصور کرتے تھے۔ سرسید کے اسی خیال سے متاثر ہو کر پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا تھا:

''سیاست سے علیحدہ رہ کر تعلیم پر توجہ مرکوز کرنا سرسید کے فکر کی صحیح انقلابی سمت کو ظاہر کرتا ہے۔''

سرسید کے ذہن میں تعلیم کی اہمیت کا احساس غدر سے پانچ سال بعد اُس وقت پیدا ہوا جب انگریزوں نے ہندوستان کا تعلیمی نظام اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں کلکتہ، ممبئی اور بنارس میں انگریزی اسکول کھولے گئے، مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ محض انگریز دشمنی میں اس طرح کی تعلیم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے جب کہ ہندو مغربی تعلیم سے فیض یاب ہونے لگے۔ یہی وہ پس منظر تھا جس میں سرسید نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی تعلیم انگریزوں کے بجائے خود ان کے ہاتھ میں رہنی چاہئے کہ تاکہ نہ صرف اُن کی غلط فہمی دُور ہو بلکہ مشنری اسکولوں کی نظریاتی یلغار سے بھی وہ محفوظ رہ سکیں۔

سرسید کے اِس ضمن میں جو نظریات تھے اُن کو سمجھنے میں مسلم قوم خاص طور پر علماء کرام کو اس لئے بھی مغالطہ ہوا کہ ابتداء میں سرسید نے مذہب کے بارے میں کچھ ایسی تعبیریں پیش کیں جو قرآن وحدیث سے متصادم تھیں۔ اس لئے علماء اور عام مسلمان اُن کی نیت اور عمل پر شک کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے مذہبی خیالات سے بھی متوحش ہوگئے۔ بعد میں سرسید نے خود اپنے بعض نظریات سے رُجوع کیا مگر اُس وقت تک کافی دیر ہو چکی تھی۔ اسی طرح جب ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد ڈالی گئی تو سرسید نے اس کی سخت مخالفت کی جس سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کی انگریز دوستی انگریز پرستی میں تبدیل ہوگئی تھی حالانکہ علامہ شبلی نعمانی اور دوسرے علماء کانگریس کی حمایت میں نہ صرف آگے آئے بلکہ اس کے پرچم تلے انہوں نے بہت کام بھی کیا۔ اِس لئے سرسید کو یاد کرتے وقت اُس عہد کے علماء کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا جو کہ ایک روایت بن چکی ہے۔ درس طرز فکر نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرسید ایک مصلح قوم اور مسلمانوں کے بہی خواہ ضرور تھے مگر وہ عالم دین نہ تھے۔ اُن کے خیالات میں بعض کمی یا کوتاہی ہو سکتی ہے جس کو رد کیا گیا تاہم اس سے سرسید کی بلند وبالا شخصیت پر حرف نہیں آتا اور اُن کی ملت کے تئیں خدمات کو باطل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آج سرسید کو حقیقی خراج عقیدت تعلیم کے فروغ اور اُس کی ترویج واشاعت میں سرگرم حصہ لے کر ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سرسید نے قوم کی فلاح کا راز تعلیم میں سمجھا تھا۔ اُن کے خیال میں اگر قوم نے تعلیمی میدان میں پیش رفت کر لی تو اس کے سارے دُکھ درد کا مداوا ممکن ہے جو وقت کی کسوٹی پر صحیح ثابت ہوا ہے۔

●●

گوانتاناموبے کی طرز پر بگرام میں نئی جیل

دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کے نام پر امریکہ نے دنیا بھر میں دہشت گردی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ انسانی خون جب امریکی وحشت و بربریت کو ٹھنڈا کرنے میں ناکام رہتا ہے تو پھر امریکی فوج اپنے مفتوحہ علاقوں سے بے گناہ لوگوں کو جیلوں میں بھر دیتی ہے۔ ایسے قیدیوں کو امریکی حکومت صرف ''دشمن جنگجو'' قرار دیتی ہے اور انہیں کسی قسم کے کوئی حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ نو منتخب امریکی صدر بارک اوبامہ نے اقتدار سنبھالنے کے بعد گوانتاناموبے کا امریکی قید خانہ بند کرنے کا اعلان کر رکھا ہے، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ صدر بش نے جانے سے قبل افغانستان میں بگرام ایئر بیس کے قریب ایک وسیع و عریض جیل کی تعمیر شروع کروا دی ہے۔ موجودہ امریکی صدر بارک اوباما کا کہنا ہے کہ وہ گوانتاناموبے جیل بند کرنا چاہتے ہیں۔ اگر بارک اوباما گوانتاناموبے جیل بند کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتے ہیں تو اس سے کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا کیونکہ امریکی فوج نے اس سے کہیں بڑی جیل افغانستان میں بگرام کے ہوائی اڈے کے نزدیک بنا رکھی ہے۔ اس جیل میں القاعدہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے مشتبہ افراد کو رکھا جاتا ہے اور یہاں بھی امریکی اہلکاروں کا رویہ گوانتاناموبے سے مختلف نہیں ہوتا۔ خلیج گوانتاناموبے جیل میں اس وقت ۲۵۰ افراد مختلف الزامات کے تحت بند ہیں۔ بگرام کی امریکی جیل میں قید افراد کی تعداد ۶۷۰ ہے۔

صدر بارک اوباما کی عبوری انتظامیہ نے اس مسئلے پر کوئی رائے دینے سے انکار کر دیا ہے کہ آیا نئی انتظامیہ قیدیوں کے بارے میں امریکہ کی موجودہ پالیسی تبدیل کرے گی یا نہیں۔ اس کے علاوہ بگرام ہی میں ایک اور جیل تعمیر کی جا رہی ہے جہاں دشمن کے ''غیر قانونی جنگجوؤں'' کو رکھا جائے گا۔ نیویارک میں قائم ایک فلاحی تنظیم ''انٹرنیشنل جسٹس نیٹ ورک'' کی چیف ایگزیکٹو ''ٹینا فوسٹر'' کے مطابق بارک اوبامہ کو ورثے میں گوانتاناموبے کی سکڑتی ہوئی جیل کے ساتھ ساتھ بگرام کے وسیع ہوتے ہوئے قید خانے بھی ملیں گے۔

ٹینا فوسٹر اور ان کے ساتھی وکلاء نے واشنگٹن کی ایک عدالت میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ بگرام جیل میں قید افراد کو ان پر عائد کئے گئے الزامات سے آگاہ کر کے ان کے مقدمات عدالتوں میں پیش کئے جائیں تاکہ انہیں انصاف مل سکے۔ امریکہ کی سپریم کورٹ پہلے گوانتاناموبے جیل کے قیدیوں کو یہ حق دے چکی ہے۔

یہ مقدمہ تیونس کے باشندے ۴۳ سالہ ''رواہ النجر'' نے دائر کیا تھا۔ ''النجر'' کو امریکی فوج نے بغیر کسی الزام کے مئی ۲۰۰۲ء سے قید کر رکھا تھا ''رفاہ النجر'' کراچی سے گرفتار کیا گیا تھا جہاں وہ اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ النجر کے وکلاء کے مطابق گرفتاری کے بعد دو برس تک اسے مختلف مقامات پر قائم امریکہ کے خفیہ حراستی مراکز میں رکھا گیا اور بعد میں اسے بگرام جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان کے وکلاء نے عدالت میں دلائل دیتے ہوئے بتایا کہ النجر کو چھ برس سے قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اس پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسے کسی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں وہ اپنی غیر قانونی حراست کے خلاف انصاف طلب کر سکے۔ ان کے وکلاء نے عدالت سے النجر کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف طویل جنگ کے باعث امریکی فوج جسے چاہے بغیر کوئی وجہ بتائے غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیتی ہے۔ گوانتاناموبے جیل کی انفرادیت یہ ہے کہ محاذ جنگ سے بہت دور ہونے کے باوجود اس پر امریکی قانون کی مکمل عملداری نافذ کی گئی اور عدالت نے اس جیل کو امریکی قانون کے تابع قرار دیتے ہوئے اس مقدمے کا فیصلہ سنایا۔ امریکی حکومت کا خیال ہے کہ بگرام کے حالات گوانتاناموبے سے کوئی مماثلت نہیں رکھتے۔ امریکی محکمہ انصاف نے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ امریکی فوج کو سمندر پار محاذ پر غیر معمولی حالات کا سامنا ہوتا ہے اس لئے اسے دشمن جنگجوؤں کے متعلق غیر معمولی فیصلے کرنے پڑتے ہیں اس لئے فیڈرل کورٹ کو امریکی فوج کے انداز کار میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔

امریکی فوج نے اس امید کا اظہار کیا تھا کہ بگرام ایئر بیس پر قید افراد کو افغان حکومت کے زیر انتظام دیگر جیلوں میں منتقل کر دیا جائے گا اور غیر افغان قیدیوں کو ان کے ممالک کے حوالے کیا جا سکتا ہے لیکن افغان میں پرتشدد واقعات میں اضافہ اور جیلوں میں قیدیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ایسا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے پنٹاگون نے بگرام جیل کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس جیل کی تعمیر پر ساٹھ ملین ڈالر لاگت آئے گی۔ عام حالات میں یہاں چھ سو قیدیوں کو رکھنے کی گنجائش ہوگی اور ایمرجنسی کی صورتحال میں یہاں گیارہ سو قیدیوں کو رکھا جا سکے گا۔ یہ چار ہزار ایکڑ پر پھیلی ہوئی بگرام ایئر بیس کے ایک کونے میں چالیس ایکڑ اراضی پر تعمیر کی جائے گی۔ امریکی حکومت نے فیڈرل کورٹ میں مقدمے کے دوران یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اگر بگرام جیل کو بھی امریکی قانون کے تابع کر دیا گیا تو اس سے دہشت گردی کے خلاف جنگ بری طرح متاثر ہو سکتی ہے اور یہ کہ بیرون ملک گرفتار کئے گئے دشمن جنگجوؤں کو سول عدالتوں میں پیش کرنے کا معاملہ قانونی اور عملی لحاظ سے ناممکن العمل نہیں ہے۔

●●

اہم ۲۳ خبروں کا اختصار

ملکی

● لکھنؤ: تقریباً 17 کروڑ کی آبادی والی ریاست اترپردیش میں اس وقت ہر آدمی 9310 روپے کا مقروض ہے اور یہ قرض یکم اپریل کو بڑھ کر 10290 روپے ہوجائے گا۔ یہ انکشاف ریاستی کابینہ میں پیش کیے گئے سال 2009-10 کے بجٹ میں کیا گیا۔

● نئی دہلی: یہاں ایک مذاکرہ میں امریکہ میں ہندوستان کے سابق سفیر للت مان سنگھ نے کہا کہ ہندوستان نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات فلسطینی رہنما یاسر عرفات کی رضامندی سے قائم کیے تھے۔ انہوں نے سابق وزیراعظم پی وی نرسمہا راؤ سے کہا تھا کہ جب مصر اور ترکی اسرائیل سے رشتہ رکھ سکتے ہیں تو ہندوستان کیوں نہیں۔

● نئی دہلی: نٹھاری میں ہوئے 19 سلسلہ وار قتل میں ایک خصوصی عدالت نے مندر سنگھ منڈھیر اور اس کے نوکر سریندر کولی کو سزائے موت دی اور 90-90 ہزار روپے کا جرمانہ بھی عائد کیا۔ 19 بچوں اور خواتین کے جسمانی اعضاء برآمد ہونے کے دو سال بعد ایک معاملہ میں یہ سزا سنائی گئی۔

● لکھنؤ: حکومت یوپی نے مالی سال 2009-10 کیلئے ممکنہ 23,29,868 کروڑ روپے کے خسارے کا بجٹ پیش کیا۔ یہ موجودہ بجٹ سے 19 فیصد زیادہ ہے۔ جس میں 133,594,98 کروڑ کا بجٹ آئندہ مالی سال کیلئے ہے۔

● احمد آباد: سپریم کورٹ کی طرف نامزد اسپیشل انوسٹی گیشن ٹیم (ایس آئی ٹی) نے گجرات فسادات کے معاملہ میں ڈی ایس پی کے جی ایرڈا کی گرفتاری کے بعد ایک اور پولس انسپکٹر وی ایس گوہلی کی تلاش بھی شروع کردی ہے، وہ فسادات کے دوران بڑودہ علاقہ میں تعینات تھے جہاں 99 افراد مارے گئے تھے۔ ٹیم نے اپنی جانچ رپورٹ سپریم کورٹ میں پیش کردی ہے۔

● مرادآباد: ممبر پارلیمنٹ شفیق الرحمٰن برق اور رامپور سے کانگریس کے سابق ممبر اسمبلی افروز علی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہوجن سماج پارٹی میں شامل ہوگئے۔ پارٹی نے مسٹر برق کو سنبھل لوک سبھا حلقہ سے امیدوار بھی نامزد کردیا۔

● بھونیشور: کٹک سے کچھ دور جارج پور ریلوے اسٹیشن کے پاس کورومنڈل سپرفاسٹ ایکسپریس 14 ڈبوں سمیت پٹری سے اتر گئی جس سے 10 افراد ہلاک اور 100 زخمی ہوگئے۔ ریلوے نے انکوائری کا حکم دیتے ہوئے مہلوکین کے لیے فی کس ایک نوکری اور پانچ لاکھ روپے، زیادہ زخمیوں کے لیے 50-50 روپے اور معمولی زخمیوں کے لیے دس دس ہزار روپے معاوضہ کا اعلان کیا ہے۔

● موتی ہاری: سگولی ریلوے اسٹیشن پر ایک پسنجر ٹرین اور ایک انجن کے درمیان ٹکر سے 36 مسافر زخمی ہوگئے۔ ریلوے نے واقعہ کی انکوائری کا حکم دیا ہے۔

● ہزاری باغ: پوری کے شنکر آچاریہ سوامی ادھوکشانند جی مہاراج نے یہاں نامہ نگاروں سے کہا کہ جب جب الیکشن آتا ہے فرقہ پرست قوتیں رام کو بدنام کرنا شروع کردیتی ہیں اور مہاراشٹرا اے ٹی ایس کے سربراہ ہیمنت کرکرے کا قتل ایک سازش کے تحت کیا گیا کیونکہ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو بڑے بڑے افسران اور سیاستداں پھنس جاتے، اپنے کو پھنستا دیکھ کر ایک سازش کے تحت انہیں قتل کردیا گیا۔

● جبلپور: مدھیہ پردیش ہائی کورٹ نے ریاستی وقف بورڈ کے نوٹیفکیشن کو کالعدم قرار دے دیا ہے۔ بورڈ نے سیاسی سفارشات کی بنیاد پر بھوپال ڈسٹرکٹ متولی کمیٹی مقرر کی تھی، عدالت نے بورڈ کے سکریٹری اور ریاستی اقلیتی محکمہ کو ہدایت دی ہے کہ وہ ضابطوں کے مطابق نئی کمیٹی تشکیل دیں۔

● نئی دہلی: مرکزی وزیر آبی وسائل سیف الدین سوز نے وادی کشمیر میں اننت ناگ اور بارہمولہ کے اضلاع ریلوے سے جوڑنے پر وزیر ریلوے لالو پرشاد یادو کو مبارکباد دی ہے۔

● نئی دہلی: صدر جمہوریہ پرتبھا پاٹل نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرکزی حکومت نے ان تمام وعدوں کو تقریباً پورا کردیا جو اس نے کم از کم قومی مشترکہ پروگرام کے تحت عوام سے کیے تھے۔

● سری نگر: پیپلز ڈیموکریٹک فرنٹ کی سربراہ محبوبہ مفتی ریاستی اسمبلی میں اپوزیشن کی لیڈر منتخب ہوئی ہیں۔ وہ اس عہدہ پر منتخب ہونے والی پہلی خاتون رہنما ہیں۔

بین الاقوامی

● واشنگٹن: امریکی قومی انٹلیجنس کے ڈائریکٹر ڈینس بلیئر نے کہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان موجودہ کشیدگی کے خاتمہ کی چابی پاکستان کے پاس ہے اور اسے کشیدگی ختم کرنے کے لیے عسکریت پسندوں کے خلاف سخت کارروائی کرنا ہوگی۔

● کینبرا: افغانستان میں طالبان اور آسٹریلیائی فوجیوں کے درمیان ہوئے تصادم میں پانچ افغان بچوں کی ہلاکت کی انکوائری کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ جانکاری یہاں آسٹریلیائی ڈیفنس فورس نے دی۔

● واشنگٹن: امریکی شہر بفیلو میں 50 نشستوں والا ایک مسافر بردار طیارہ آبادی والے علاقہ میں گر کر تباہ ہوگیا جس میں مقامی پولس کے مطابق اس میں سوار تمام 48 مسافر اور عملہ کے اہلکار ہلاک ہوگئے۔

● یروشلم: اسرائیلی حکام نے مغربی کنارے کی مختلف گزرگاہیں عبور کرنے کے لیے فلسطینی صدر محمود عباس کے قریبی لوگوں کو وی آئی پی کارڈ جاری کیا ہے۔

● غزہ: حماس کے رہنما موسیٰ ابومرزوق نے مصر میں کہا کہ اسرائیل کے ساتھ طویل مدتی جنگ بندی کے منصوبہ پر اتفاق رائے ہوگیا ہے اور جلد ہی اس کا اعلان کیا جاسکتا ہے۔

● واشنگٹن: امریکی جریدے شکاگو ٹریبون کی ایک رپورٹ کے مطابق خاتون سنیٹر ڈائن فینسٹائن نے کہا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں پر حملے کرنے والے جاسوس طیارے پاکستان ہی کے ایک ایئربیس سے پرواز کرتے ہیں۔ پاکستان نے اس کی تردید کی ہے۔

● واشنگٹن: امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن نے کہا ہے کہ گزشتہ ایک دہائی میں ہند-امریکہ تعلقات میں زبردست بہتری آئی ہے اور مستقبل میں یہ رشتے اور مضبوط ہوں گے۔

● واشنگٹن: افغان صدر حامد کرزئی نے سی این این کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا کہ جب بھی میں شہریوں کی ہلاکت کی بات کرتا ہوں تو یہ امید کرتا ہوں کہ ہمارے امریکی دوست سمجھیں گے کہ یہ ایک انسانی تشویش ہے۔

● ڈھاکہ: بنگلہ دیش کے جنوب مشرق میں ایک بس کے 300 فٹ گہری کھائی میں گر جانے سے اس میں سوار کالج کے 12 طلباء اور اساتذہ کی موت ہوگئی۔ یہ لوگ پکنک منا کر گھر واپس ہورہے تھے۔

● بغداد: عراق میں ترک فوج کے فضائی حملہ میں 13 کرد باغی مارے گئے اور متعدد زخمی بھی ہوئے۔

● بگوٹا: جنوبی امریکی ملک کولمبیا میں ایک مسلح گروپ کے ذریعہ پولس کے ایک گشتی دستہ پر گھات لگا کر کیے گئے حملے میں پولس کے تین جوانوں سمیت کم از کم 17 افراد ہلاک ہوئے اور 15 زخمی ہوگئے۔

● سڈنی: آسٹریلیا کی سینٹ نے ملک کے اقتصادی شعبہ کی بحالی کے لیے حکومت کا 28 ارب ڈالر کا پیکج مسترد کردیا۔

● لندن: کساد بازاری اور روزگار کے مواقع میں کمی کے نتیجہ میں برطانیہ میں بے روزگاری کی شرح دس سال کی بلندترین سطح پر پہنچ گئی۔ قومی ادارہ شماریات کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک میں اس وقت 19 لاکھ 70 ہزار شہری بے روزگار ہیں اور یہ تعداد 35 لاکھ تک پہنچ سکتی ہے۔

● نیویارک: عالمی بنک نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ عالمی اقتصادی بحران نے ترقی پذیر ممالک کے مزید پانچ کروڑ 30 لاکھ افراد کو غربت کی زنجیر میں جکڑ لیا ہے اور اندیشہ ہے کہ مزید دو سے چار لاکھ بچے موت کے منھ میں چلے جائیں گے۔

● زیورخ: دنیا کے امیر ترین بنکوں میں سے ایک اور عالمی شہرت یافتہ سوئزرلینڈ کے بنک یو بی ایس نے ملکی تاریخ میں سب سے بڑی مالیت کے سالانہ خسارہ کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مالی سال 2008 کے دوران بنک کو 19 ارب 70 کروڑ سوئس فرانک خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے نیٹ ورک اور خدمات کے باعث اس بنک کو امیروں کی بینک کہا جاتا ہے۔

● نیویارک: پاکستان کے صدر آصف علی زرداری نے سی بی ایس نیوز کے ایک پروگرام میں کہا کہ طالبان نے ان کے ملک کے ایک بڑے حصہ پر اپنا تسلط قائم کرلیا ہے اس لیے اپنے وجود کی بقا کے لیے ملک کو اس تنظیم کے خلاف لڑائی لڑنی پڑ رہی ہے۔

عبوری ریلوے بجٹ میں کرایہ میں تخفیف کی تجویز

نئی دہلی: وزیر ریلوے لالو پرساد یادو نے 13 فروری کو عبوری ریلوے بجٹ پیش کرتے ہوئے عام انتخابات کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے بجٹ پیش کرتے ہوئے گزشتہ پانچ برسوں میں 90 ہزار کروڑ روپے کا نقد منافع کمانے کی بات کہی اور تمام درجات کے کرایہ میں دو فیصد اور پچاس روپے تک کے پسنجر کرایہ میں ایک روپے کی کمی کا اعلان کیا۔ اگلے مالی سال کے لیے 37905 روپے کے سالانہ منصوبہ کی تجویز پیش کی۔ سابقہ بجٹ کی تجویز کے علاوہ اس بجٹ میں دہلی سے پٹنہ کے درمیان بلٹ ٹرین چلانے، بھاگلپور اور تھاوے میں نیا ریلوے ڈویژن بنانے، مال گاڑیوں کی رفتار بڑھانے اور مال بھاڑے میں کسی قسم کی کمی نہ کرنے کا اعلان کیا۔ وزیر ریلوے نے مال لے جانے کا نشانہ 85 کروڑ ٹن برقرار رکھتے ہوئے یہ بھی امید جتائی کہ مسافروں کی تعداد بھی بڑھے گی۔ حکمراں طبقہ نے عبوری ریلوے بجٹ کو سراہا ہے جب کہ اپوزیشن نے اس پر تنقید کرتے ہوئے اسے انتخابی بجٹ قرار دیا ہے۔ صنعتی دنیا نے اس بات سے مایوسی کا اظہار کیا ہے کہ عبوری ریلوے بجٹ میں مال بھاڑے میں تخفیف کی کوئی تجویز نہیں رکھی گئی ہے۔ مسٹر یادو نے عبوری بجٹ میں 43 نئی ٹرینیں شروع کرنے، چودہ ٹرینوں کی فریکوینسی بڑھانے اور 14 ٹرینوں کی مسافت بھی بڑھانے کی تجویز پیش کی۔

بجٹ میں مجوزہ ۴۳ نئی مسافر گاڑیاں

1- بلاس پور-ترو نیل ویلی ایکسپریس (ہفتہ وار)
2- رانچی-جے نگر ایکسپریس (ہفتہ میں تین دن)
3- سکندرآباد-مانوگرو سپر فاسٹ (روزانہ)
4- ممبئی-کروار سپر فاسٹ (ہفتہ میں تین دن)
5- بھوپال-لکھنؤ غریب رتھ (ہفتہ وار)
6- درگ-جے پور ایکسپریس (ہفتہ وار)
7- چھترپتی ساہو مہاراج ٹرمنل کولہاپور-دھنباد لنک سروس وایا پارس ناتھ (ہفتہ)
8- سین گوتائی وڈ پسنجر (روزانہ)
9- ڈبروگڑھ ٹاؤن-چنڈی گڑھ ایکسپریس (ہفتہ وار)
10- اجمیر-بھاگل پور وایا دہلی غریب رتھ ایکسپریس (ہفتہ میں دو دن)
11- نظام الدین-بنگلور وایا کچھے گوڑا راجدھانی ایکسپریس (ہفتہ میں تین دن)
12- برونی-دہلی جان سادھارن سپر فاسٹ (ہفتہ میں دو دن)
13- ممبئی-وارانسی سپر فاسٹ (روزانہ)
14- میسور-یشونت پور ایکسپریس (روزانہ)
15- جمال پور-گیا پسنجر
16- کوراپور-راؤرکیلا ایکسپریس وایا رائے گڑھ (روزانہ)
17- آگرا-اجمیر سپر فاسٹ (روزانہ)
18- سیتامڑھی-پٹنہ لنک سیوا (روزانہ)
19- تری چوراپلی-مدورے ایکسپریس (روزانہ)
20- ممبئی-بیکانیر سپر فاسٹ (ہفتہ میں دو دن)
21- جے نگر-اجمیر لنک سیوا (ہفتہ میں دو دن)
22- آگرا-لکھنؤ شتابدی ایکسپریس (روزانہ)
23- گاندھی دھام-کولکاتا سپر فاسٹ (ہفتہ وار)
24- نئی دہلی-گوہاٹی راجدھانی ایکسپریس وایا بھاگلپور (ہفتہ وار)
25- ممبئی-ترونیل ویلی سپر فاسٹ وایا تروندپورم (ہفتے میں دو دن)
26- جموتوی-دربھنگا غریب رتھ ایکسپریس (ہفتہ وار)
27- سہرسہ-دہلی ایکسپریس وایا پٹنہ (ہفتہ وار)
28- گوالیار-بھوپال انٹرسٹی ایکسپریس وایا گنا (ہفتہ میں پانچ دن)
29- کوئمبٹور-توتی کورین لنک سیوا (روزانہ)
30- ہاوڑا-ہری دوار سپر فاسٹ (ہفتہ میں پانچ دن)
31- مچھلی پٹنم-ممبئی سپر فاسٹ (ہفتہ میں دو دن)
32- وارانسی-جموتوی سپر فاسٹ (روزانہ)
33- گورکھپور-ممبئی سپر فاسٹ (روزانہ)
34- جھاجھا-پٹنہ (میمو)
35- نئی دہلی-گوہاٹی راجدھانی ایکسپریس وایا مظفرپور (ہفتہ وار)
36- ویراول-ممبئی لنک سیوا (روزانہ)
37- رانچی-پٹنہ جن شتابدی (روزانہ)
38- جھانسی-چھندواڑا سپر فاسٹ (ہفتہ میں دو دن)
39- ممبئی-جودھپور ایکسپریس (ہفتہ وار)
40- حاجی پور-بگہا لنک سیوا
41- ہاوڑا-دہلی لنک سیوا وایا عظیم گنج بھاگلپور (ہفتہ وار)
42 سیتامڑھی-دہلی غریب رتھ وایا پٹنہ (ہفتہ وار)

مسجد اشاعت اسلام میں خطبہ جمعہ

مسلمان کیلئے دین کا علم حاصل کرنا ضروری: مولانا عمری

نئی دہلی: مسلمان خواہ کسی بھی حیثیت میں ہو، اس کے لیے دین کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہونا اس کے لیے لازمی ہے۔ بلکہ ہر مسلمان کے لیے فرض عین ہے اور جن علوم پر دنیا کے معاملات کا دارومدار ہے ان کا حاصل کرنا امت کے لیے فرض کفایہ ہے۔ البتہ علم کے ساتھ عمل کا ہونا ضروری ہے۔ مذکورہ باتیں مولانا سید جلال الدین عمری صاحب، امیر جماعت اسلامی ہند نے 13 فروری کو مسجد اشاعت اسلام میں اپنے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمائیں۔ موصوف گزشتہ دو ہفتے سے مسلسل علم اور تعلیم کی اہمیت واضح کر رہے تھے۔ اس ہفتہ انہوں نے علم کے ساتھ عمل کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ قیامت کے دن ہر شخص کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ اسے دین کا جو علم تھوڑا یا بہت علم حاصل تھا اس پر کتنا عمل کیا۔

امیر جماعت نے ایمان اور عمل کے باہمی رشتہ کو اجاگر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایمان درحقیقت علم کا نام ہے اور اس سے مراد وہ علم ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ جس میں کسی نقص کا امکان اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس علم کا حصول اور اس پر یقین ہی در اصل ایمان ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مسلمانوں کی کامیابی کی شرط ایمان کے ساتھ عمل صالح ہے۔ ایسا ایمان جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو اور آدمی یہ سمجھے کہ خدا اور رسول کی تعلیمات ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں۔ اس علم و یقین کے ساتھ اگر انسان خلوص دل سے عمل کرے گا تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ نے دنیا میں اپنے اقتدار کا وارث بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی بدولت خدا اپنے نیک بندوں کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ان کی ضیافت کا سامان ضرور فراہم کرے گا۔ جس قوم، ملت اور گروہ کے اندر بھی ایمان اور عمل صالح موجود ہوگا دنیا اور آخرت دونوں جگہ وہ کامیاب اور سرخرو ہوگا۔ مولانا نے کہا کہ ہماری امت میں ایسے لوگوں کی ایک متعدبہ تعداد کا ہونا ضروری ہے جو سائنٹسٹ ہوں، انجینئر ہوں، معاشیات، سیاسیات اور فلسفہ کے ماہر ہوں۔ تا کہ یہ امت پیچھے نہ رہ جائے اور دوسری قوموں کی دست نگر اور محتاج نہ ہوجائے۔ مولانا نے اس بات پر زور دیا کہ جو لوگ دین کی بنیادی تعلیم سے محروم ہیں۔ انہیں اس کی فکر کرنی چاہیے کیوں کہ صحیح علم کے بغیر آدمی خدا کی مرضی کو نہیں جان سکتا، نہ وہ صحیح راہ اختیار کرسکتا ہے اور نہ اس کی زندگی میں مطلوبہ تبدیلی آسکتی ہے۔ اس کے لیے حلال وحرام، جائز وناجائز اور صحیح وغلط کی تمیز ضروری ہے۔ مولانا نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ ہماری ناکامی کا اصل سبب در اصل یہ ہے کہ ہمارے پاس نہ وہ علم ہے اور نہ اس علم پر یقین ہے جو رسول اللہؐ نے ہمیں عطا کیا تھا اور نہ اس کے مطابق ہماری زندگی گزر رہی ہے۔

امیر جماعت نے اس موقع پر علم نافع کے لیے اللہ رب العزت سے دعا کرتے رہنے کی تلقین کی اور ایسے عمل کے لیے بھی جو مقبول بارگاہ الٰہی ہو۔

(رپورٹ: عبدالحق فلاح)

ٹرینوں کی فریکونسی میں اضافہ

1- نئی دہلی-گوہاٹی ڈبروگڑھ راجدھانی ایکسپریس ہفتہ میں پانچ دن سے بڑھا کر 6 دن۔
2- بھونیشور-نئی دہلی راجدھانی ایکسپریس ہفتہ میں دو دن سے بڑھا کر چار دن۔
3- اجمیر-راجندر نگر زیارت ایکسپریس ہفتہ میں ایک دن سے بڑھا کر دو دن۔
4- نظام الدین باپودھام موتیہاری غریب رتھ ایکسپریس ہفتہ میں ایک دن سے بڑھا کر دو دن۔
5- بھوپال-لکھنؤ جنکشن ایکسپریس ہفتہ میں دو دن سے بڑھا کر تین دن۔
6- سکندرآباد-پٹنہ ایکسپریس ہفتہ میں دو دن سے بڑھا کر روزانہ۔
7- سکندرآباد-وشاکھاپٹنم غریب رتھ ہفتہ میں چار دن سے بڑھا کر روزانہ۔
8- امراوتی-ممبئی امراوتی ایکسپریس ہفتہ میں تین دن سے بڑھا کر روزانہ۔
9- احمد آباد-نئی دہلی راجدھانی ایکسپریس ہفتہ میں 6 دن سے بڑھا کر روزانہ۔
10- احمد آباد-پٹنہ عظیم آباد ایکسپریس ہفتہ میں دو دن سے بڑھا کر تین دن۔
11- پوری-ہاوڑا ایکسپریس ہفتہ میں ایک دن سے بڑھا کر دو دن۔
12- جوگ بنی-دہلی-سیمانچل ایکسپریس ہفتہ میں پانچ دن سے بڑھا کر چھ دن۔
13- نظام الدین-درگ چھتیس گڑھ کرانتی ہفتہ میں دو دن سے بڑھا کر تین دن۔

ٹرینوں کی مسافت میں توسیع

1- رانچی-علی پور دوار ایکسپریس گوہاٹی تک۔
2- پور بندر-باپودھام موتیہاری ایکسپریس مظفرپور تک۔
3- جبل پور-بھوپال ایکسپریس لکشمی بائی نگر اندور تک۔
4- ارناکلم-تریچورا پلی ایکسپریس ناگور تک۔
5- کولکاتا-دربھنگہ متھلانچل ایکسپریس سیتامڑھی تک۔
6- ہاوڑا-گوالیار چمبل ایکسپریس متھرا تک۔
7- ہاوڑا-آگرہ کینٹ چمبل ایکسپریس متھرا تک۔
8- جودھپور-بنگلور ایکسپریس کوئمبٹور تک۔
9- جبل پور-ممبئی غریب رتھ ایکسپریس الہ آباد تک۔
10- ممبئی بڑودرا ایکسپریس چھوٹا اودے پور تک۔
11- پٹنہ-دربھنگہ کملا گنگا فاسٹ پسنجر برول تک۔
12- کولکاتا-مرشد آباد ہزاردواری ایکسپریس لال گولا تک۔
13- ممبئی-جے پور غریب رتھ دہلی تک۔

تحریکی ادب

طریق زندگی کی ضرورت

یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان کو زندگی بسر کرنے کے لیے بہرحال ایک طریق زندگی درکار ہے جسے وہ اختیار کرے۔ انسان دریا نہیں ہے، جس کا راستہ زمین کے نشیب وفراز سے خود معین ہوجاتا ہے۔ انسان درخت نہیں ہے، جس کے لیے قوانین فطرت ایک راہ طے کردیتے ہیں۔ انسان نرا جانور نہیں ہے جس کی رہنمائی کے لیے تنہا جبلت ہی کافی ہوجاتی ہے۔ اپنی زندگی کے ایک بڑے حصے میں قوانین طبیعت کا محکوم ہونے کے باوجود انسانی زندگی کے بہت سے ایسے پہلو رکھتا ہے جن میں اسے کوئی لگا بندھا راستہ نہیں ملتا کہ حیوانات کی طرح بے اختیار اس پر چلتا رہے، بلکہ اس کو اپنے انتخاب سے خود ایک راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس کو فکر کی ایک راہ چاہیے جس پر وہ اپنے اور کائنات کے ان بہت سے مسائل کو حل کرے جنہیں فطرت اس کے سوچنے والے دماغ کے سامنے پیش تو کرتی ہے مگر ان کا کوئی حل غیر مشتبہ زبان میں نہیں بتاتی۔ اس کو علم کی ایک راہ چاہیے جس پر وہ ان معلومات کو منظم کرے، جنہیں فطرت اس کے حواس کے ذریعے سے اس کے ذہن تک پہنچاتی تو ہے مگر انہیں بطور خود منظم کرکے اس کے حوالے نہیں کردیتی۔ اس کو شخصی برتاؤ کے لیے ایک راہ چاہیے جس پر وہ اپنی ذات کے بہت سے ان مطالبات کو پورا کرے جن کے لیے فطرت تقاضا تو کرتی ہے مگر انہیں پورا کرنے کا کوئی مہذب طریقہ معین نہیں دیتی۔ اس کو گھریلو زندگی کے لیے، خاندانی تعلقات کے لیے، معاشی معاملات کے لیے، ملکی انتظام کے لیے، بین الاقوامی ربط وتعلق کے لیے اور زندگی کے بہت سے دوسرے پہلوؤں کے لیے بھی ایک راہ درکار ہے، جس پر وہ محض ایک شخص ہی نہیں بلکہ ایک جماعت، ایک قوم، ایک نوع کی حیثیت سے بھی چلے اور ان مقاصد تک پہنچ سکے جو اگرچہ فطرتاً اس کے مقصود ومطلوب ہیں مگر فطرت نے نہ تو ان مقاصد کو صریح طور پر اس کے سامنے نمایاں کیا ہے اور نہ ان تک پہنچنے کا ایک راستہ معین کردیا ہے۔

زندگی کے یہ مختلف پہلو جن میں کوئی ایک طریق اختیار کرنا انسان کے لیے ناگزیر ہے، بجائے خود مستقل شعبے اور ایک دوسرے سے بے نیاز محکمے نہیں ہیں اس بنا پر یہ ممکن نہیں ہے کہ ان مختلف شعبوں کے لیے انسان ایسی مختلف راہیں اختیار کرسکتا ہو جن کی سمتیں الگ ہوں، جن کے زاد راہ الگ ہوں، جن پر چلنے کے ڈھنگ اور انداز الگ ہوں، جن کی راہ نوردی کے متقضیات الگ ہوں اور جن کی منازل مقصود الگ ہوں۔ انسان اور اس کی زندگی کے مسائل کو سمجھنے کی ایک ذرا سی دانشمندانہ کوشش ہی آدمی کو اس پر مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے کہ زندگی بحیثیت مجموعی ایک کل ہے جس کا ہر جز دوسرے جز سے اور ہر پہلو دوسرے پہلو سے گہرا ربط رکھتا ہے، ایسا ربط جو توڑا نہیں جاسکتا۔ اس کا ہر جزء دوسرے جزء پر اثر ڈالتا ہے اور اس سے اثر قبول کرتا ہے۔ ایک ہی روح تمام اجزاء میں سرایت کیے ہوتی ہے اور وہ سب مل کر وہ چیز بناتے ہیں جسے انسانی زندگی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا فی الواقع جو چیز انسان کو درکار ہے وہ زندگی کے مقاصد نہیں بلکہ مقصد ہے جس کے ضمن میں سارے چھوٹے بڑے مقاصد پوری موافقت کے ساتھ اپنی اپنی جگہ لے سکیں اور جس کے حصول کی کوشش میں وہ سب حاصل ہوجائیں۔ اس کو راستے نہیں بلکہ راستہ درکار ہے جس پر وہ اپنی پوری زندگی کو اس کے تمام پہلوؤں سمیت کامل ہم آہنگی کے ساتھ اپنے مقصود حیات کی طرف لے چلے۔ اس کو فکر، علم، ادب، آرٹ، تعلیم، مذہب، اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون وغیرہ کے لیے الگ الگ نظامات نہیں بلکہ ایک جامع نظام درکار ہے جس میں یہ سب ہمواری کے ساتھ سموئے جاسکیں، جس میں ان سب کے لیے ایک مزاج اور ایک ہی طبیعت رکھنے والے مناسب اصول موجود ہوں اور جس کی پیروی کرکے آدمی اور آدمیوں کا مجموعہ اور من حیث الکل پوری آدمیت اپنے بلندترین مقصود تک پہنچ سکے۔ وہ جاہلیت کا تاریک دور تھا جب زندگی کو مستقل جداگانہ شعبوں میں تقسیم کرنا ممکن خیال کیا جاتا تھا۔

(اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات: از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

رحمانی فاؤنڈیشن مونگیر میں آئی کیمپ

مونگیر: رحمانی فاؤنڈیشن کے زیر انتظام اٹھارہویں مفت موتیابند آئی کیمپ میں آنکھوں کے مریضوں کا آپریشن شروع ہوا۔ مشہور سرجن جناب ڈاکٹر کے ایم پورے، مونگیر اور ڈاکٹر کھنہ کی ٹیم نے آپریشن کے فرائض انجام دیے۔

اس کیمپ کے لیے دو سو سے زیادہ مریضوں کے آپریشن کا ہدف تھا۔ یہ آپریشن کیمپ دو دنوں تک چلا۔ مریضوں کا آپریشن مفت کیا گیا اور ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے کا انتظام بھی مفت تھا۔ انہیں ضروری دوائیں، اور چشمے بھی مفت دیے گئے۔

بقیہ ''افغان کا مشن زیادہ مشکل ہے''

کہ وہاں خاک ہی خاک تھی، پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردینے والے بم گرائے گئے، لیکن اس کے لیے نتیجہ ڈھاک کے تین پات بلکہ اس نے وہاں جو نام نہاد حکومت قائم کی اس کا حال یہ ہے کہ میدان عمل میں بھی وہ خود کو محفوظ نہیں خیال کرتی۔ اب اسے بھی امریکی صدر اوباما سے شکایت پیدا ہوگئی ہے کہ اس کو اعتماد میں نہیں لیا جارہا ہے۔ اطلاعات کے مطابق افغانی صدر حامد کرزئی نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ امریکہ میں نئی حکومت کے قیام کے باوجود امریکہ اور افغان حکومت کے تعلقات میں کشیدگی پائی جاتی ہے۔ (ش ر)

بقیہ: کیتھولک عیسائیوں اور یہودیوں ......

اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں گیس چیمبرز کا وجود ہی نہیں تھا اور ایک اندازے کے مطابق تین سے چار لاکھ یہودیوں کو نازیوں نے اپنے کیمپوں میں رکھا تھا اور جو ساٹھ لاکھ یہودیوں کو رکھنے کا دعویٰ کیا جارہا ہے غلط ہے۔ اسرائیل میں موجود بی ڈیوس روسن نے جو امریکی یہودی تنظیموں کے لئے بین مذاہبی امور کے سربراہ ہیں، نے بتایا کہ ''ہولوکاسٹ'' سے انکار کرنے والے کو کیتھولک چرچ میں اس بیان میں تبدیلی کے بغیر واپس لینا پوپ جان پال دوم کی تعلیمات کا مضحکہ اڑاتا ہے۔

پاپ جان پال دوم نے اسرائیل کا ۲۰۰۶ء میں کافی دورہ کیا تھا اور یہودیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا: ''ہولوکاسٹ میں لاکھوں یہودیوں کا قتل ایک ظالمانہ اقدام تھا اور ہولوکاسٹ خدا اور انسان کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے''۔

ولیم سن کے بیانات سے متعلق سوال پر ویٹی کن کے چیف ترجمان فادر فڈریکو لسبارڈی نے کہا کہ اس کا ولیم سن کو بحال کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ ہر انسان آزادی رکھتا ہے اور اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے، بشپ رچرڈ ولیم سن کا بھی بیان ان کی ذاتی رائے ہے اور ہولوکاسٹ کے متعلق رچرڈ ولیم سن نے جو بیانات دیے ہیں وہ ان کی شخصی رائے ہے اور ہر ایک کو اظہار خیال کی آزادی ہے۔ ان چاروں پادریوں کی بحالی کا فیصلہ کافی برسوں کی مشاورت کے بعد عمل میں آیا، عرصہ دراز سے سیکنڈ ویٹی کن کونسل اور سینٹ لکیولیس ایکس کے درمیان اختلافات چل رہے تھے، سینٹ پیوس ایکس فرقہ بنیاد پرست ہے اور ان کے مطابق یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کے تعلقات نہیں ہونے چاہئیں، ''یہودی جہنمی ہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے منکر ہیں'' بینڈکٹ نے ان اختلافات کو ختم کرنے کے لئے لاطینی عیسائی پادریوں سے مدد لی تھی، کیونکہ انھوں نے اپنے ایک خطاب میں اس جھگڑے کو ختم کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی جو گزشتہ بیس برسوں سے جاری تھا، بنیاد پرست عیسائی فرقوں میں بھی یہودیوں کے متعلق وہی احساسات ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں ہیں، یہودیوں نے میڈیا کے ذریعے عوامی اعتماد تو حاصل کرلیا لیکن آنے والے وقت نے یہ بات ثابت کردی کہ ''ہولوکاسٹ'' محض ڈرامہ تھا، جس میں یہودیوں کا اپنا مفاد چھپا ہوا تھا، ''ہولوکاسٹ'' بالکل اسی طرح کا ڈرامہ ہے جس طرح امریکہ میں آنے والے معاشی بحران کا ڈرامہ رچایا گیا، اسی معاشی بحران میں امریکی عوام کو نقصان ہوا، صہیونی بینکروں اور سرمایہ کاروں نے اس بحران میں بھی نفع کمایا، یہ بحران بھی ان کا اپنا پیدا کردہ تھا تا کہ بحران کو ختم کرنے کے بدلے اوبامہ سے اپنی پالیسیوں کے مطابق عمل کروایا جائے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب دکھائی دیتے ہیں، اسرائیل میں ہولوکاسٹ کے ڈرامے کے انکشاف پر کافی تنقید کی جارہی ہے، اب یہودی تھنک ٹینک اور صہیونی سرمایہ کار دنیا میں ''انسانیت'' کے نام کا مذہب جسے ''کھوکھلی انسانیت'' کہنا بجا ہوگا متعارف کروانے کے لئے کوشاں ہیں، اس مذہب میں اوبامہ کو ''آئی کون'' کے طور پر منظر عام پر لایا جاچکا ہے، جبکہ اس نام نہاد مذہب کے پیغمبر وہی یہودی ہیں جن کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مفاد پرستی ان کا مذہب ہے۔ عیسائی فرقے اب متحد ہورہے ہیں۔ لگتا ہے کہ ان کو بھی پتہ چل گیا ہے کہ اتحاد کرلینے سے یہودی اثر کو کم کیا جاسکتا ہے، کچھ دہائیوں پہلے یورپ کے تمام معاملات کا حل چرچ میں تلاش کیا جاتا تھا، جو ان کی مذہبی تعلیمات کے عین مطابق ہوتا تھا، پھر یہودی سازشیں شروع ہوئیں اور چرچ کے ٹکڑے ہوگئے، بالکل اسی طرح یہودی مسلم امہ کے ساتھ سازشیں کررہے ہیں، تمام عرب ممالک ایک دوسرے سے تناؤ میں معاملات طے کرتے ہیں کیونکہ یہودی یہ بات جانتے ہیں، جب تک مسلم دنیا الگ الگ ہے ان کے مذموم مقصد کو کوئی خطرہ نہیں۔

قسطنطین کی دیواریں

عبدالحفیظ بٹ

قسطنطنیہ کی وجہ تسمیہ

شہر کا ابتدائی نام بازنطیم تھا۔

جب قیصر کانسٹائن (قسطنطین اعظم) کو نئے دارالحکومت کی تلاش ہوئی تو اس نے بازنطیم کو پسند کیا۔

اس کا نام اپنے نام پر کانسٹی نوپل (لفظی معنی شہر قسطنطین مشہور قسطنطنیہ) رکھا اور روما کے بجائے زیادہ تر اسی جگہ رہنے لگا۔ بعد ازاں رومی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی، ایک کا مرکز روما اور دوسری کا قسطنطنیہ قرار پایا۔

ایک کو مغربی اور دوسری کو مشرقی رومی سلطنت کہتے تھے۔ قسطنطنیہ آبنائے باسفورس کے قریب بحیرہ مارمورا کے ساحل پر آباد ہے۔ بحیرہ اسود سے بحیرہ روم کو جانے والے سب ہی بحری جہاز قسطنطنیہ سے ہو کر گزرتے تھے۔ (ماضی کی طرح یہ بحری جہاز آج بھی گزرا کرتے ہیں)۔

ساتویں قبل مسیح میں کانسٹائن نے شہر کی قلعہ بند تعمیر شروع کروائی۔ شہر قسطنطنیہ ابتداء ہی سے اپنی فوجی اہمیت کو خطۂ بلقان میں موجود ریاستوں سے منوانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ لہٰذا بلقانی ریاستوں میں قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی دوڑ شروع ہوگئی۔

دیوار بازنطیم:

دوسری صدی کے آخری عشرے میں سرویا نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ ١٩٣ء تا ١٩٦ء تین سال تک یہ محاصرہ برقرار رہا۔ بالآخر سروین قسطنطنیہ فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ قسطنطنیہ پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد سروین نے یہاں دفاعی مقاصد کے پیش نظر ایک شاندار دیوار تعمیر کی۔

سروین قسطنطنیہ پر اپنا قبضہ زیادہ دیر برقرار نہیں رکھ سکے۔ ان کے مقابل حریفوں سپٹمیس اور پی انیس ریاستوں نے مشترکہ حملہ کرکے نہ صرف سروین سے قسطنطنیہ واگزار کروالیا بلکہ ان کی تعمیر کردہ دفاعی دیوار کو بھی مکمل طور پر مسمار کردیا۔ یہ قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے بنائی جانے والی اولین دفاعی دیوار تھی۔ قسطنطنیہ کی حفاظت کی تاریخ میں یہ دفاعی دیوار، دیوار بازنطیم کے نام سے مشہور ہوئی۔

دیوار قسطنطین

قسطنطین ثانی نے جب قسطنطنیہ کا اقتدار سنبھالا تو اس نے قسطنطنیہ کی مغربی جانب دیوار سروین (دیوار بازنطیم) کی باقیات پر ازسرنو دیوار تعمیر کی۔ یہ دیوار ٢٠٨ء کلومیٹر طویل تھی۔ اس نے دیوار پر مخصوص فاصلے سے ٣٢٤ ٹاورز تعمیر کروائے تھے۔ یہ دیوار پلیٹیا کے مقام گولڈن ہارن (یہ مقام شاخ زریں کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) سے گزرتے ہوئے سمندر کے ساتھ ساتھ سینٹ ایمی لینس گیٹ تک چلی گئی ہے۔ بعد ازاں جسٹینین جب قسطنطنیہ کا حکمراں ہوا تو اس نے دیوار قسطنطین کو ازسرنو تعمیر کیا۔ اس نے دیوار کی تعمیر میں سنگِ مرمر کے اعلیٰ قسم کے بڑے بلاک استعمال کئے۔

قسطنطنیہ پر حکمرانی کرنے والے ہر حکمراں نے دیوار قسطنطنیہ کی تعمیر ومرمت اور تزئین وآرائش میں خصوصی دلچسپی لی۔ یہی وجہ ہے کہ پانچویں صدی تک اس دیوار کی وسعت میں کافی اضافہ ہوچکا تھا۔

دیوار تھیوڈوسیس

٤٠٨ء میں قسطنطنیہ پر تھیوڈوسیس دوم کی حکمرانی تھی۔ اس بازنطینی بادشاہ نے قسطنطنیہ کے دفاع کے پیش نظر ایک شاندار دیوار تعمیر کی جو قسطنطنیہ کی سابقہ دو دیواروں سے زیادہ بڑی تھی۔ یہ دیوار پانچ ہزار چھ سو تیس میٹر طویل تھی اور بحیرہ مارمورا اور قسطنطنیہ کے نواح میں بلاچرن کے درمیان شاخ زریں (گولڈن ہارن) کے نزدیک تعمیر کی گئی تھی۔

یہ دیوار اپنی تعمیر کے آغاز میں ہی دیوار تھیوڈوسیس کے نام سے مشہور ہوگئی تھی۔ اسے مشہور بازنطینی انجینئر انھتی میس کی نگرانی میں تعمیر کیا گیا۔ ٤١٣ء میں اس دیوار کی تعمیر مکمل ہوئی۔ تھیوڈوسیس دیوار میں مخصوص فاصلے پر سنگ مرمر کے ٹاورز تعمیر کئے گئے تھے۔

٦ رنومبر ٤٤٧ء کو قسطنطنیہ میں ایک زبردست قوت کے ساتھ زلزلہ آیا جس نے پورے شہر کو ہلا کر رکھ دیا۔ شہر میں بڑے پیمانے پر تباہی وبربادی ہوئی۔ دیوار تھیوڈوسیس کا بڑا حصہ اس تباہ کن زلزلے کے باعث گر پڑا۔

تھیوڈوسیس نے دیوار اور شہر کی ازسرنو تعمیر کے احکام دیئے۔ تھیوڈوسیس نے ہنگامی حالت کا اعلان کردیا۔ دیوار اور شہر کو ہنگامی بنیادوں پر تعمیر کیا جانے لگا۔ یہ تمام کام انجینئر سائرس پانویس کی زیرنگرانی ہونے لگا۔

تھیوڈوسیس کی پریشانی کی وجہ اٹیلا حملہ آور کی دھمکیاں تھیں جو قسطنطنیہ کے اس نازک وقت میں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

انجینئر سائرس ایک بہترین دماغ اور اعلیٰ صلاحیتوں کا انسان تھا۔ اس نے تھیوڈوسیس کی پریشانی کو اطمینان اور یقین میں بدل ڈالا۔ اس نے بادشاہ کو یہ یقین دہانی کرادی کہ اٹیلا حملہ آور کی دھمکیوں کی پروانہ کی جائے کیونکہ وہ بہت جلد دیوار اور شہر کی تعمیر مکمل کردے گا اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا۔ سائرس نے صرف ساٹھ دن کے مختصر عرصے میں دیوار اور شہر تعمیر کرکے دوستوں اور دشمنوں سب کو حیران کردیا۔ اس بات کی تصدیق میولیوہان گیٹ پر کندہ لاطینی اور یونانی زبان میں تحریروں سے ہوتی ہے۔

اس مرتبہ خالص دفاعی نقطۂ نظر سے دیواریں تعمیر کی گئیں۔ سب سے پہلے تیس فٹ چوڑی اور بارہ فٹ گہری خندقیں کھود کر ان میں پانی بھر دیا گیا۔

پھر بیرونی دیوار کی تعمیر شروع کی گئی۔ قسطنطنیہ کے دفاع کے لئے بنائی جانے والی یہ بیرونی فصیل بارہ فٹ چوڑی اور ٢٨ فٹ بلند تھی۔ اس کے بعد مخصوص فاصلے قائم رکھتے ہوئے تقریباً ساٹھ فٹ کے فاصلے سے دوسری دفاعی دیوار تعمیر کی گئی۔ یہ تقریباً سولہ فٹ چوڑی اور ٦ء٣٩ فٹ بلند تھی۔ اسی طرح ساٹھ فٹ کا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے تیسری دیوار بھی تعمیر کی گئی۔ ان دفاعی دیواروں کی تیاری میں چونے کے پتھر کے بڑے بڑے بلاک استعمال کئے گئے تھے۔ پتھروں کو توڑ کر ان سے بننے والا چورا اور دیگر تعمیراتی میٹریل استعمال کرتے ہوئے مخصوص گارا تیار کیا گیا اور پھر اسے ان دیواروں پر پلاسٹر کی طرح پھیلا دیا گیا جس سے ان دیواروں کی مضبوطی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔

دراصل انجینئر سائرس کے پیش نظر نہ صرف قسطنطنیہ کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانا تھا بلکہ اس نے اینٹوں، پتھروں اور اپنے تیار کردہ مخصوص گارے کی مدد سے قسطنطنیہ کی ان دفاعی دیواروں کو زلزلے کے شدید جھٹکوں سے بھی محفوظ بنادیا تھا۔

اس نے ان دیواروں میں ہشت اور شش پہلو ٹاورز بھی تعمیر کئے تھے جن کی مجموعی تعداد ٩٦ تھی۔ یہ ٹاور ١٨/٢٠ میٹر بلند تھے۔ ہر ٹاور کے درمیان ٥٥ میٹر کا فاصلہ رکھا گیا تھا۔ ان ٹاورز کی بلندی پر جنگی مقاصد کے پیش نظر دندانے دار دیواریں تعمیر کی گئی تھیں۔ ان ٹاورز کو اندر سے دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ ایک حصہ جو اندرون شہر کی جانب کھلتا تھا اسے بطور گودام استعمال کیا جاتا تھا۔ جبکہ دوسرے حصے میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بنائی گئی تھیں۔ یہ کھڑکیاں دشمن پر نظر رکھنے اور اس پر آتشیں اسلحہ اگلنے کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔

اس طرح ان خندقوں اور دفاعی دیواروں کی مدد سے شہر قسطنطنیہ کے گرد بہترین دفاعی حصار قائم کرلیا گیا تھا۔ قسطنطنیہ میں داخلے کے لئے آٹھ مرکزی داخلی دروازے تعمیر کئے گئے، ان دروازوں کے ساتھ ہی چھوٹی چھوٹی چوکیاں بھی قائم کی گئیں۔

قسطنطنیہ کی فتح کی اولین کوششیں:

قبل اس کے کہ ہم قسطنطنیہ کی فتح کا حال بیان کریں اس شہر کی اہمیت اور مسلمانوں کی اسے تسخیر کرنے کی کوششوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ مسلمان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور ہی سے اس شہر کو فتح کرنے کے خواہشمند تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے کی پیش گوئی کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے لشکر کی مغفرت کی خوشخبری بھی سنائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا''۔ (صحیح بخاری)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بھی علم دے دیا تھا کہ پہلی فوج فتح نہیں پاسکے گی اس لئے دوسری حدیث میں فتح کی بھی بشارت دی اور فرمایا: ''تم یقیناً قسطنطنیہ فتح کرلوگے۔ یہ فاتح فوج بھی اچھی ہوگی اور اس کا امیر بھی اچھا ہوگا''۔ (مسند احمد وحاکم وابن شیبہ)

اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور سے ہی مسلمان اسے فتح کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔

مسلمانوں کا پہلا لشکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٤٨ ہجری میں بری وبحری دونوں راستوں سے قسطنطنیہ بھیجا۔

اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے جن میں حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ قابل ذکر ہیں۔

لیکن قسطنطنیہ کی صلیبیں نہایت مضبوط تھیں اور پھر وہاں کی شدید سردی مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی، سو اتفاق سے اسلامی لشکر میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔

یزید بن امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو لشکر کا سپہ سالار تھا، مزاج پرسی کے لئے خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کوئی وصیت کرنی ہو تو فرمایئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم دشمن کی سرزمین میں جہاں تک جاسکو میری میت وہاں لے جاکر دفن کرنا۔ وفات کے بعد اس وصیت کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رات کے وقت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا گیا اور قبر کی زمین اس خیال سے برابر کردی گئی کہ دشمن بے ادبی نہ کرسکے، لیکن اس کے ساتھ ہی یزید نے اعلان بھی کردیا کہ اس مقدس میت کا احترام نہ کیا گیا تو اسلام کی وسیع سلطنت کے اندر مسیحی گرجے میں گھنٹہ نہ بجنے پائے گا۔ بعد ازاں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ایک بزرگ کی نشاندہی پر سلطان محمد فاتح عثمانی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار بنوایا جو اب تک زیارت گاہ عام ہے۔ اسی طرح کچھ اور مسلمان بھی شہید ہوئے اور شہر فتح نہ ہوسکا۔

بنوامیہ کے دور میں دوبار اور بنوعباس کے دور میں ہارون الرشید خود ایک لاکھ فوج لے کر قسطنطنیہ پہنچا لیکن وہاں کی ملکہ نے سالانہ جزیے پر صلح کرلی۔

تلوار کے دھنی عثمانی ترکوں کی کوششیں:

جس زمانے میں ہندوستان کے علاقے میں غیاث الدین بلبن اور علاء الدین خلجی حکومت کررہے تھے اس زمانے میں ایشیائے کوچک میں، جسے اناطولیہ اور ترکی بھی کہا جاتا ہے، ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہورہی تھیں۔ یہ آل عثمان کی سلطنت تھی جسے سلطنت عثمانیہ اور دولت عثمانیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بانی کا نام عثمان خان تھا۔ یہ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں وسعت میں عربوں کی سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی اور پائیداری اور استحکام کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کی سب سے مستحکم اور پائیدار حکومت ثابت ہوئی۔

عثمانی نسلاً ترک تھے۔ ان کی حکومت قائم ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ جب ہلاکو خان کے زمانے میں بغداد پر منگولوں نے قبضہ کرلیا، تو چند سال بعد ان کی ایک فوج ایشیائے کوچک پر قبضہ کرتی ہوئی شہر انقرہ کے قریب پہنچ گئی۔ یہاں قونیہ کے سلجوقی سلطان نے ان کا مقابلہ کیا۔ اس وقت جبکہ دونوں میں لڑائی ہورہی تھی، خانہ بدوش ترکوں کی ایک جماعت جس کا سردار ارطغرل تھا، یہاں سے گزرا، ارطغرل نے دیکھا کہ ایک فوج تعداد میں زیادہ ہے اور دوسری کم۔ ارطغرل کے پاس صرف ٤٤٤ سوار تھے۔ لیکن وہ کمزور فوج کی مدد کے لئے بڑھا اور اس زور سے حملہ کیا کہ طاقتور فوج کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ طاقتور فوج منگولوں کی تھی اور کم تعداد کمزور فوج سلجوقیوں کی تھی۔

خودمختار عثمانی سلطنت کا قیام:

ارطغرل کی اس بہادری اور مدد کے بدلے میں سلطان علاء الدین سلجوقی نے اسے ایک جاگیر دی۔ چند سال بعد ١٢٨٨ء میں ارطغرل کا انتقال ہوگیا اور اس کا لڑکا عثمان خان اس کا جانشین ہوا۔

١٣٠٠ء میں قونیہ کی سلجوقی حکومت کو منگولوں نے ختم کردیا اور سلطان علاء الدین جنگ میں مارا گیا۔ اب عثمان خان نے ایک خودمختار حکومت قائم کرلی جو اس کے نام سے عثمانی سلطنت کہلاتی ہے۔ ●●

معاشرتی زندگی پر عریاں تہذیب کے خطرناک اثرات

مولانا اسرار الحق قاسمی

مادیت نے انسان کو جہاں معاشی لحاظ سے متاثر کیا ہے وہیں اس نے انسان کو معاشرتی اور تہذیبی اعتبار سے بھی متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مادیت کے اثرات دور حاضر کے انسان کی زندگی میں صرف معاشیات تک محدود نظر نہیں آتے بلکہ دور حاضر کے انسان کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی میں بھی مادیت کے گہرے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ جوں جوں لوگوں پر دولت جمع کرنے کا جنون سوار ہورہا ہے وہیں لوگوں میں موج مستی اور تعیشات کا بھی شوق پیدا ہورہا ہے۔ لائف کو انجوائے کرنے کے نام پر اخلاقی وانسانی قدروں کا گلا گھونٹا جارہا ہے۔ آج کے انسان کی سوچ وعمل پر گہرائی سے غور کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب لوگوں کو موج مستی کرنے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے بہانے چاہئیں۔ موجودہ مغربی تہذیب میں اس طرح کے مواقع خاصی تعداد میں ہیں، اس لیے ہمارے ملک کی نئی نسل بھی تیزی کے ساتھ ان کی طرف لپک رہی ہے۔ جن ایام اور مواقع کے بارے میں چند دہائیوں قبل ہندوستان کے زیادہ تر لوگوں نے سنا بھی نہیں تھا آج بڑی تعداد میں لوگ نہ صرف ان کو جانتے ہیں بلکہ وہ انہیں منانے اور انجوائے کرنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔

آج لوگ اپنے آپ کو ماڈرن ثابت کرنے کے لیے مغربی اقوام کے لباس کو اپنا رہے ہیں، اس کے بعد وہ اور آگے تک جارہے ہیں، ایسے کپڑوں کے عادی بنتے جارہے ہیں جن سے ستر پوشی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ خاص طور سے اس زمانہ میں صنف نازک کو بڑی توہین آمیز پوشاکوں کا سامنا کرنا پڑرہا۔ ایسے عجیب وغریب فیشن والی پوشاکیں کہ پورا بدن ہی نظر آئے مگر پھر بھی شوق سے خواتین انہیں کی طرف لپک رہی ہیں۔ معاشرہ میں عریاں فیشن کی آمد کے بعد جرائم اور نامناسب وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے اور بے حیائی نے ہر جگہ اپنے قدم جمانے شروع کردیے ہیں۔ تہواروں، تقریبوں اور بعض خاص دنوں کو منانے میں بھی مشرقی قومیں پیش پیش نظر آتی ہیں، برتھ ڈے کو منانے کا اتنا زیادہ رواج ہوچکا ہے کہ قصبوں، گاؤوں اور عام گھروں تک میں برتھ ڈے پارٹیاں ہونے لگی ہیں، کیک کٹنے لگے ہیں اور میوزک بجنے لگے ہیں، جب کہ جنم دن کو منانے کا یہ تصور نہ ہندوستانی سماج میں پایا جاتا تھا اور نہ ہی اس کے لیے اسلامی معاشرہ میں کوئی گنجائش ہے۔ اسلام کی صدیوں پر مبنی تاریخ میں ایسے چند واقعات کی نشاندہی کرنا بھی مشکل ہے جن سے برتھ ڈے منانے کا ثبوت ملتا ہو۔ برتھ ڈے کا یہ تصور مسلمانوں میں گزشتہ چند دہائیوں قبل تک بھی نہ تھا۔ مگر اب ایسا لگتا ہے کہ اس دن کو منانے کا تصور گویا صدیوں پرانا ہو۔ ایسے ہی شادی کے دن کو ہر سال منانے کا رواج بھی بڑھتا جارہا ہے اور اس موقع پر بھی فضول خرچی کے مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ نئے سال کو منانے کا رواج بھی تیزی سے عام ہوتا جارہا ہے۔ غیر مسلم اقوام تو کیا اب مسلم معاشرہ کے بھی کتنے افراد نیا سال جوش وخروش سے منانے لگے ہیں، خاص طور سے نئی نسل نیا سال منانے میں خوب پیش پیش نظر آتی ہے۔ ہندوستانی سماج میں بے شمار لوگ اس موقع پر نہ صرف کارڈوں کے تبادلے کرتے ہیں، بلکہ آتش بازی بھی کرتے ہیں، گولے پٹاخے بھی چھوڑتے ہیں، نازیبا مجلسوں میں بھی جاتے ہیں، رقص وسرور کی محفلیں بھی سجاتے ہیں، تفریح گاہوں پر گویا ہجوم نظر آتا ہے، مسلمانوں کے لیے تو جنوری سے شروع ہونے والے سال کو اس قدر پرجوش انداز میں منانا کہ وہ آپے سے باہر ہوجائیں قطعاً مناسب نہیں۔ اس لیے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے نئے سال کو منانے کا کوئی ثبوت ہی نہیں، بلکہ اسلامی کیلنڈر کے لحاظ سے نیا سال جنوری سے شروع ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ کسی بھی موقع پر اسلام میں آپے سے باہر ہوکر مدہوش ہوجانا، بجانا وناچنا درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ مسلم معاشرت وتہذیب کے بھی منافی ہے۔

ایک اور دن جو ہندوستانی معاشرے میں بڑی گرمجوشی کے ساتھ منایا جانے لگا ہے، وہ ویلن ٹائن ڈے ہے، جس میں عریانیت وفحاشیت کا کھلا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ویلن ڈائن ڈے کے موقع پر مرد وخواتین، شادی شدہ وغیر شادی شدہ جوڑے کھلے عام محبت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں، محبت کی آڑ میں جو مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں وہ بہت زیادہ بھیانک ہوتے ہیں۔ قیمتی تحائف کے تبادلے، گلاب کے پھولوں کے تبادلے، غباروں کو اڑانا تو عام سی بات ہے ہی، مگر اس موقع پر بہت سے جوڑے تفریح گاہوں کا بھی رُخ کرتے ہیں، جہاں شراب کے نشے میں دھت ہوکر ان سے اس طرح کی نازیبا حرکتیں وجرائم سرزد ہوتے ہیں، جن سے انسانیت کی پیشانی داغدار ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرہ کی اگر بات کی جائے تو اسلام میں ایسے دنوں اور تقریبوں کو منانے کے لیے ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام میں غیر شادی شدہ مردوں وعورتوں کے درمیان اظہار محبت ہی کے لیے گنجائش نہیں، پھر اسلام میں حیاء وپاکیزگی کا پورا نظام موجود ہے، اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ وہ غیر مردوں کے روبرو ہو، یا وہ بے پردہ ہوکر اِدھر اُدھر گھومے۔ ایسے ہی مردوں کے لیے بھی یہ اجازت نہیں کہ وہ اجنبی عورتوں یا لڑکیوں کو دیکھیں، بات کرنا یا اظہار محبت کرنا تو دور کی بات۔ عورتوں کی آواز کو بھی اسلام میں عورت ہی کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح عورت اپنے جسم کو ڈھانپے اور غیر مردوں کے سامنے نہ آئے، اسی طرح وہ اپنی آواز بھی دیگر مردوں کو نہ سنائے۔ گویا حیاء وپاکیزگی پر اسلام میں خاص طور سے توجہ دی گئی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ہر وہ عمل جو عورتوں کو بے پردہ کرنے والا ہو یا اس کی عفت وعصمت کو غیر محفوظ بنا دینے والا ہو، وہ اسلام کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔

اب ذرا ویلن ڈائن ڈے پر غور کرلیجئے کہ کیا اس دن کا کوئی بھی پہلو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے؟ ہرگز نہیں۔ غیر شادی شدہ عورتوں کا اظہار محبت کرنا وسرخ گلاب کے پھول پیش کرنا، سیر وتفریح کے لیے ساحلی مقامات پر جانا، تفریحی پروگراموں میں حصہ لینا، ایک دوسرے کو گفٹ دینا، کارڈوں کے تبادلے کرنا، شراب نوشی کرنا، چھیڑ چھاڑ کرنا، عریاں لباس پہننا، نازیبا حرکتیں کرنا، وغیرہ۔ یہ تمام ہی باتیں اسلام کے منافی ہیں اور شریعت میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، مگر افسوس وحیرت کی بات یہ ہے کہ ویلن ٹائن ڈے کو محض عیسائی، یہودی یا دیگر قومیں ہی نہیں مناتیں، بلکہ آہستہ آہستہ ویلن ٹائن ڈے کو منانے کا یہ رواج مسلمانوں کے درمیان بھی آتا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی نئی نسل ماحول سے یہ سب کچھ سیکھ رہی ہے اور اسے اپنی زندگی میں لانے پر فخر بھی محسوس کرتی نظر آرہی ہے۔ اگر یہ سب کچھ محض مغربی معاشرہ میں ہو تو کوئی حیرت نہ ہو، کیونکہ مغربی تہذیب، عریانیت، فحاشی اور موج ومستی کی ترجمانی کی عکاس ہے، لیکن اگر یہی سب کچھ مشرقی تہذیب اور خاص طور سے مسلم معاشرہ میں بھی دیکھنے کو ملے تو حیرت واستعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔

معاشرہ کے ذمہ دار افراد کو چاہئے کہ وہ نئی نسل کی عریانیت سے حفاظت کے لیے موثر کن قدم اٹھائیں۔ ایسے مواقع پر والدین اپنے نوجوان بچوں پر دھیان رکھیں کہ کہیں ان کے درمیان ویلن ڈائن ڈے کو منانے کا رجحان تو پرورش نہیں پارہا ہے، اگر ایسا کچھ نظر آئے تو حکمت عملی سے انہیں اس دن کو منانے سے باز آنے کے لیے کہیں، انہیں بتائیں کہ ہمارے یہاں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ انسانی اعتبار سے بھی نامناسب عمل ہے، بلکہ اس دن مسلم والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو دور مقامات پر بھی بھیجنے سے گریز کریں۔ اسکولوں، کالجوں ویونیورسٹیوں میں پڑھنے والے بچوں کو والدین ہدایت کردیں کہ وہ دوسروں کی طرح ویلن ڈائن ڈے نہ منائیں۔ مسلم معاشرہ سے ویلن ڈائن ڈے اور اس جیسے مواقع کے تصور کو ختم کردینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر مواقع مسائل میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں جن سے عوام الناس کی ذہنی الجھنوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

مغربی معاشرے میں اس طرح کی لایعنی باتوں ورواجوں کے خطرناک نتائج سامنے آچکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم سوسائٹیوں، محلوں اور مسلم آبادیوں کو اس طرح کی تقریبات سے پاک رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں ملت کے ذمہ دار وحساس افراد اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔ اگر امت مسلمہ کو نئے سال، ویلن ٹائن ڈے جیسی مغربی تقریبات کے دوررس نتائج سے آگاہ نہ کیا گیا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو کچھ بعید نہیں کہ مسلم معاشرہ میں ایسی فحش حرکات ولغو باتیں پوری شدومد کے ساتھ در آئیں جو اسلامی معاشرت کے لیے خطرہ بن جائیں۔ ●●

غزہ پر اسرائیلی حملہ حماقت ہے

ترجمہ: مسعود الرحمن خان ندوی

بحوالہ برطانوی ٹائمز (٥ رجنوری ٢٠٠٩ء) امریکی ربی (یہودی مذہبی رہنما) مائیکل لرنر (مدیر اعلیٰ امریکی رسالہ ٹیکون) نے حماس تحریک اور مزاحمتی راکٹوں کے خلاف غزہ پر حالیہ اسرائیلی حملے کو حماقت مانتے ہوئے کہا کہ وہ انسانیت کے خلاف جرم ہے جو حماس اور مزاحمت گروہوں کی سرگرمی کے برابر نہیں ہے...... دنیا غزہ سے چھوڑے جانے والے راکٹوں کو روکنے کے لئے اسرائیل کا بہانہ تو سمجھ سکتی ہے لیکن ردعمل کا حجم نہایت اہم ہے۔ اتنی کثیر تعداد میں مقتول ومجروح شہریوں کی تعداد حماس کی کارروائی مطلقاً تناسب نہیں رکھتی۔ یہ احمقانہ کام انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ اگر اسرائیل شہریوں کے خلاف حماس کے بے نشانہ راکٹ انسانیت کے خلاف ہیں تو غزہ اور مغربی کنارہ کے شہریوں کا اسرائیل کے ہاتھوں اس کے قبضہ کے دوران برسوں سے جاری قتل وغارتگری بھی انسانیت کے خلاف (اس سے بڑا) جرم ہے۔ حماس نے امن وسکون کے قیام کے لئے ضمانت مانگی تھی۔ جو اس کا حق ہے، جب کہ اسرائیل حماس کے رہنماؤں کو وقفہ وقفہ سے نشانہ بناتا رہا ہے اور مختلف علاقوں پر بمباری کرتا رہا ہے، پھر بھی حماس اسرائیل کے اعتراف کی بات چھوڑ کر سعودی امن منصوبہ قبول کرنے پر رضامند تھی لیکن من مانی ضد کا بھلا ہو۔

٢٧ ردسمبر سے اسرائیل کی ہولناک بمباری کے شکار غزہ میں حالات کو بحال کرنے اور اسرائیلیوں وفلسطینیوں کے مابین دائمی امن قائم کرنے کے لئے لرز کے تفصیلی منصوبہ کی دفعات یہ ہیں: ☆ راکٹ چھوڑنا موقوف اور مغربی کنارہ وغزہ سیکٹر کے خلاف تشدد کی تمام شکلیں اقوام متحدہ کی نگرانی اور فریقین کے لئے ایک ضمانت پر بند ہوں نیز حماس پابند ہو کہ اس کی طرف سے جو اس کے خلاف کام کرے گا وہ اس کو قید کرے گی ☆ اسرائیل پر لازم ہو کہ بمباری اور رہنماؤں کا قتل اور غزہ ومغربی کنارہ پر حماس کے کارکنوں کے خلاف تشدد کی تمام شکلیں موقوف کرے ☆ اسرائیل غزہ کے ساتھ اپنی تمام حدود کھولے، اس کو صرف اسلحہ کی تفتیش کا حق ہو اور وہ بحری، بری اور فضائی تمام راستوں سے غزہ میں غذائی سامان، پٹرول، بجلی، پانی، گیس اور روزانہ استعمال کے ہر قسم کے سامان کی آمد ورفت کی اجازت دے ☆ اسرائیل اپنی جیلوں میں قید تمام فلسطینی قیدیوں کو رہا کرے اور وہ مغربی کنارہ یا غزہ سیکٹر جہاں چاہیں واپس جانے دے، اس کے بدلہ میں اسرائیلی فوجی جلعاد شالیت اور حماس ودیگر مزاحمتی گروہوں کے پاس دیگر اسرائیلی قیدی رہا ہوں ☆ اس معاہدہ کی تنفیذ کے لئے فریقین کسی عالمی طاقت کو دعوت دیں ☆ فریقین وسائل ابلاغ وتعلیم وعبادتگاہوں کے ذریعہ تشدد پر اُبھارنے واکسانے کی تمام کارروائیوں کو ختم کرنے پر متفق ہوں ☆ بیس برس کی مدت کے لئے فائرنگ بند ہو اور نیٹو اقوام متحدہ وامریکہ میں اس معاہدہ کی لازمی تنفیذ اور اس کے خلاف کرنے والے ایک فریق یا دونوں فریقوں کو سخت سزائیں دینے پر متفق ہوں۔ لیکن امریکی ربی (حاخام) مائیکل لرنر نے استدراک کرتے ہوئے کہا:

فائق فوجی طاقت ہونے کی وجہ سے اسرائیل سے ابتدائی اقدامات کرنے کے لئے کہا جائے جیسے غزہ اور مغربی کنارہ کی تعمیر نو کے لئے مارشل منصوبہ کے مشابہ کوئی منصوبہ نافذ کرے جس سے: » فقر وبے روزگاری کا خاتمہ ہو » انفراسٹرکچر از سر نو کھڑا ہو » انویسٹمنٹ کی ہمت افزائی ہو » نوآباد کالونیاں ختم ہوں یا پھر نوآبادوں کو فلسطینی ریاست کا شہری قرار دیا جائے۔

انہوں نے مزید کہا: ''آئندہ تیس برس تک اسرائیل سالانہ تیس ہزار فلسطینیوں کو ان مقامات پر واپسی کی اجازت دے جہاں سے ١٩٤٨ء میں انہوں نے ہجرت کی تھی۔ نیز ان کو ان کے مقامات سے اکھاڑنے میں اپنے حصہ کی معذرت کرے اور قبضہ کی مدت کے دوران فلسطینیوں کے خسارہ کی تلافی کے لئے معاوضہ کی غرض سے عالمی مساعی کی ترتیب وتنسیق کرے۔ اور فلسطینی ریاست کا ان حدود کے فریم ورک میں اعتراف کرے جن کا معاہدہ جنیوا ٢٠٠٣ء میں تعین ہوچکا ہے۔''

انہوں نے مقالہ کے اختتام میں کہا ہے ''اسرائیل کے لئے حصول امن کا یہی تنہا راستہ ہے جس کو اس کے تمام پہلوؤں سے نافذ ہونا چاہئے۔ اس سے فریقین کو اطمینان محسوس ہوگا، جس کے بعد وہ اپنے شہریوں کے لئے کچھ کرسکیں گے جو کہ بہت مشکلات جھیل چکے ہیں۔ غزہ اور اسرائیل میں جو کچھ ہورہا ہے وہ دینی تعلیمات کے خلاف ہے، اس کو یہودی پیغام سختی سے مسترد کرتا ہے۔''

(رپورٹ: محمد حامد، ہفتہ وار الامان، بیروت)

POSTED ON 17 February 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/ 2006- 08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. ۱۹ر فروری ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2090 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post

کیتھولک عیسائیوں اور یہودیوں کے تعلقات کشیدہ

میاں علی رضا

جس طرح پورے عالم میں امریکہ کی مدد سے یہودیوں نے کہرام برپا کر رکھا ہے مگر اس ظلم کی تشہیر نہیں ہورہی بلکہ میڈیا کے ذریعے صہیونی ناپاک عزائم کی تکمیل کو ''امن کے قیام'' اورانسانیت کی بقا کا نام دیا جارہا ہے۔ یہودیوں کی تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہودی قوم بڑی چالاک اور عیار قوم رہی ہے، جسے ہر دور میں ناکامی اور ذلالت کا منھ دیکھنا پڑا ہے، مگر وہ کبھی اپنی عیاری اور شیطانی سے باز نہیں آتی۔ امریکی معاشی نظام پر سو فیصد صہیونی سرمایہ کاروں اور بینکرز کا راج ہے، امریکہ کا صدر کوئی بھی ہو مگر امریکی صہیونی نواز پالیسیاں کبھی تبدیل نہیں ہوتیں، یہودی دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہی پوری دنیا کی اقتصادیات اور حکمرانی کا خواب دیکھ چکے تھے، ان کو اس مقصد کے لئے کوئی معقول بہانہ چاہئے تھا، جس کی تکمیل دوسری جنگ عظیم کے دوران ہولوکاسٹ کی شکل میں ہوئی، اب یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ پورے عالم کے ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا کنٹرول ہے، عالمی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے یہودی میڈیا نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے، دنیا میں جہاں بھی خانہ جنگی ہورہی ہے، یہ سب یہودیوں کے مذموم عزائم کی تکمیل کے منصوبے کی وجہ سے ہے، مگر میڈیا دنیا کو کچھ اور دکھا رہا ہے۔

نائن الیون کا واقعہ ہو یا عراق پر امریکی حملہ، افغانستان میں انسانی حقوق کی پامالی ہو یا امریکہ کا معاشی بحران سب کے پیچھے وہ صہیونی سرمایہ کار ہیں جو اسرائیل کو عظیم اسرائیل بنانے کی منصوبہ بندی کرچکے ہیں، اسرائیل کے قیام کی منصوبہ بندی دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہی کی جاچکی تھی، مگر کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا، دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں کے قتل عام کا ڈرامہ رچایا گیا ہے، جسے ''ہولوکاسٹ'' کا نام دیا گیا، اب حقائق سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ''ہولوکاسٹ'' نام کا واقعہ دوسری جنگ عظیم کے دوران ہوا ہی نہیں تھا، یہ صرف یہودی پروپگنڈا تھا جس کا مقصد عالمی ہمدردی حاصل کرنا اور مظلوم فلسطینیوں کی زمین پر قبضہ کرنا تھا، اس وقت پوری دنیا میں اتنے یہودی موجود نہیں تھے جتنے ہولوکاسٹ میں ہلاک بتائے جاتے ہیں، یعنی یہودیوں کے مطابق ساٹھ لاکھ یہودی ہلاک ہوئے تھے۔

اس وقت بھی یورپ اور امریکہ میں یہودیوں کی گرفت بہت مضبوط تھی کیونکہ یورپ اور امریکہ میں بڑے بڑے تقریباً سارے سرمایہ کار یہودی تھے، جس کی وجہ سے ان کو اسرائیل میں رہنے کے لئے پیسے اور افرادی سپورٹ حاصل ہوگئی، دوسری جنگ عظیم میں عیسائیت کا دور دورہ تھا، تمام مذہبی و سیاسی امور پر تبادلہ خیال چرچ میں کیا جاتا تھا اور بشپ (پادری) کو بہت زیادہ عزت واحترام سے دیکھا جاتا تھا اور اس کی رائے بھی کافی مقدم سمجھی جاتی تھی، ''ہولوکاسٹ'' کو کیتھولک چرچ کے پادریوں نے سچ مانا اور یہودیوں کے ساتھ عیسائی حکومتوں کو ہمدردی کرنے کا درس دیا۔ آج سے تقریباً بیس سال پہلے ایک پادری رچرڈ ولیم سن نے ''ہولوکاسٹ'' کو جھوٹ اور محض ایک ڈرامہ قرار دیا، ''ہولوکاسٹ'' کے راز کا انکشاف اس نے بیس سال پہلے کینیڈا کے ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا جس پر یہودی لابی ناراض ہوگئی، آپ اس بات سے اندازہ لگائیں کہ اس وقت بھی ''ہولوکاسٹ'' کے جھوٹ کو میڈیا کے ذریعے دبادیا گیا اور پوری دنیا اس بات سے بے خبر رہی، اس وقت بھی میڈیا انہی لوگوں کے کنٹرول میں تھا، اب تو خیر ہر ملک کا میڈیا اور معاشیات پر یہودیوں کا براہ راست اثر ورسوخ ہے، میڈیا میں تشہیر کئے بغیر کیتھولک چرچ نے ولیم سن کو برطرف کردیا، ۲۵ر جنوری ۲۰۰۹ء کو ویٹی کن سٹی کے پوپ بینڈکٹ نے رچرڈ ولیم سن کو بحال کردیا، ولیم سن کی برطرفی کی وجہ یہی تھی کہ اس نے ہولوکاسٹ کو ماننے سے انکار کردیا تھا، پوپ بینڈکٹ نے یہودی لیڈروں کی اس وارننگ کے باوجود کہ ان کے کیتھولک یہودی تعلق پر سنگین اثرات مرتب ہوسکتے ہیں، برطانوی نژاد رچرڈ ولیم سن کو بحال کردیا، رچرڈ ولیم نے بیس سال پہلے کینیڈا کے ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا: ''میں دوسری جنگ عظیم کے دوران ساٹھ لاکھ یہودیوں کی نازیوں کے گیس چیمبروں میں ہلاکت کو نہیں مانتا''۔ ویٹی کن چرچ کے ترجمان نے اخباری ذرائع کو بتایا کہ پوپ نے ایک حکم جاری کیا ہے جس کے بعد چار روایتی بنیاد پرست پادریوں کے اخراج سے پابندی اٹھالی گئی ہے، جن کو ۱۹۸۸ء کو روم کیتھولک چرچ سے نکال دیا گیا تھا کیونکہ ان کا تقرر ویٹی کن کی منظوری کے بغیر عمل میں آیا تھا، یہ چاروں بشپس انتہائی قدامت پسند تنظیم سینٹ پیوس ایکس کی نمائندگی کرتے ہیں، جس کے ممبران کی تعداد چھ لاکھ کے قریب ہے، یہ وہی تنظیم ہے جس نے ۱۹۶۲ء میں سیکنڈ ویٹی کن کونسل بنانے کی مخالفت کی تھی اور رومن کیتھولک عبادت کو لبرل اور جدید بنانے کی رائے کو مسترد کردیا تھا، ویٹی کن کے ترجمان کے مطابق بشپس کی جانب سے اس بات کا عہد کئے جانے کے بعد کہ وہ پاپائے روم کے اختیارات اور چرچ کی تعلیمات کو قبول کریں گے، پابندی ہٹا دی گئی ہے، بیس سال سے جاری اس معاملے کو چرچ کے لئے ایک دھبہ سمجھا جارہا تھا تاہم اس بحالی سے کیتھولک اور یہودیوں کے درمیان پچاس سال سے جاری تعلقات سنگین بحران کا شکار ہوسکتے ہیں۔

اسرائیل کے سفیر برائے ویٹی کن مورڈیچائی لیوی نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ چرچ کے داخلی کام کاج میں دخل اندازی کرنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے تاہم ''ہولوکاسٹ'' کے وقوع پذیر ہونے سے انکار کرنے والے شخص کو چرچ میں بحال کرکے واپس لانا یہودیوں اور کیتھولک چرچ کے درمیان تعلقات پر غلط اثرات مرتب کرسکتا ہے، بحال کئے جانے والے چار پادریوں میں شامل برطانوی نژاد رچرڈ ولیم سن نے نازیوں کی جانب سے یورپ کے یہودیوں کے ہولوکاسٹ کا بیس سال سے انکار کرتے ہوئے کئی بیانات دیئے تھے، اس کی بحالی کے بعد یہودی قائدین کی طرف سے اس پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ ہولوکاسٹ کے متعلق دیئے گئے بیانات کی تردید کرتے مگر ۲۱ر جنوری ۲۰۰۹ء کو رچرڈ ولیم سن نے سویڈن کے ایک ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنے الفاظ کو دوبارہ دہرایا جو انھوں نے بیس سال پہلے کنیڈا کے ٹی وی سے کہے تھے۔

حال ہی میں سویڈن کے ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے کہا: ''مجھے یقین ہے کہ وہاں کوئی گیس چیمبر نہیں تھا ساٹھ لاکھ کی بجائے صرف تین لاکھ یہودیوں کو نازیوں کے کیمپوں میں رکھا گیا تھا''۔ انھوں نے مزید کہا: ''مجھے یقین ہے کہ ساٹھ لاکھ یہودیوں کا گیس چیمبرز میں قتل عام کرنے کا دعویٰ غلط ہے اور اڈولف ہٹلر نے جان بوجھ کر ایسی کوئی پالیسی اختیار نہیں کی تھی، تاریخی ثبوت بھی اس دعوے کو غلط ثابت کرتے ہیں''۔

مشہور تاریخ داں اور عالمی تجزیہ نگار بھی

باقی صفحہ ۶ پر

بقیہ: غصے کے برے نتائج اور علاج

اسی اخلاقی کمزوری پر قابو پانے کے سلسلے میں بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موثر ہدایات ملتی ہیں، آپؐ نے فرمایا: ''جب تم میں کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کرے۔ (یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی'') اس نصیحت کی اہمیت کے پیش نظر اس کو رسول اکرم ﷺ نے بار بار دہرایا تاکہ آدمی اشتعال انگیزی اور جلد بازی سے رک کر نتائج بد سے محفوظ رہے۔ (مسند احمد)

غصے کی حالت میں انسان کا خون کھول جاتا ہے، یعنی وجود میں حدت پیدا ہوجاتی ہے۔ شیطان بھی آگ سے بنایا گیا ہے، چنانچہ انسان کی اس کیفیت کو شیطان کے ساتھ خصوصی نسبت ہے۔ اس لئے اس کے علاج کے لئے برودت تجویز کی جاتی ہے۔ حضرت عطیہ بن عروہ السعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے اور شیطان کا مادۂ تخلیق آگ ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرلے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب مایقال عندالغضب)

غصے کی حالت میں جب آدمی وضو کرے گا تو اس کے اعضاء پر پانی پڑنے سے گرمی زائل ہوجائے گی اور بندہ جلد ہی پرسکون ہوجائے گا۔ جب دو آدمیوں کے درمیان تو تکار ہورہی ہو اور بات بڑھ رہی ہو تو ان میں سے ایک اگر خاموشی اختیار کرلے اور جواب نہ دے تو بھی غصہ فرو ہوجائے گا۔ خاموشی اختیار کرنا اس وقت آسان ہوجائے گا جب آدمی اس جگہ سے چلا جائے، گویا فریقین کے درمیان فاصلہ ہوجائے گا۔ جب مخالفین ایک دوسرے سے دور ہوجائیں گے تو انہیں نارمل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ اسی طرح ہیئت بدلنے سے بھی غصہ فرو ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ پس اگر بیٹھنے سے غصہ جاتا رہے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب مایقال عندالغضب۔)

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو دست وگریبان دیکھا، ان میں سے ایک دوسرے کو گالی دے رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا، رگیں پھول رہی تھیں، آپؐ نے اسے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کی تلقین کی۔ (الحکمۃ، ص ۴۹۵، بحوالہ بخاری ومسلم) ظاہر ہے کہ تعوذ سے شیطان دور بھاگتا ہے۔ جب شیطان موقع سے بھاگ گیا تو غصہ بھی خود خود فرو ہوجائے گا۔ ●●

بقیہ: اوبامہ عالمی سطح پر ایک امید......

صورتحال فوری توجہ کی محتاج ہے۔ اوبامانے اپنے آبائی ممالک میں پائی جانے والی ان سے توقعات کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے یہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔

برصغیر میں دہشت گردی کا مرکز پاکستان و افغانستان سرحد کو مانتے ہوئے افغانستان کو نشانہ بنانے کا اوباما کا فیصلہ اس خطہ میں مسائل پیدا کردے گا۔ ان کی افتتاحی تقریر کے اقتباسات پر ہندوستانی میڈیا کا تبصرہ جلد بازی کا مظاہرہ تھا۔ ہند نیوکلیئر معاہدے کے تائید کرنے والوں کو ابتدائی خوشی ضرور ہوئی لیکن انہیں یہ بھی تشویش رہی کہ اوبامانے مسلم دنیا کو کیوں مخاطب کیا اور تہذیبوں کا کیوں تذکرہ کیا۔ اس لیے ان ٹی وی تبصروں سے مباحث اچانک غائب ہوگئے۔ گوانتا ناموبے میں مقید قیدیوں کی تفتیش کو معطل کیا گیا اور پھر گوانتانامو جیل کو بند بھی کردیا گیا تو ہندوستان کی خارجہ پالیسی کو بھی اس کا نوٹس لینا ہی پڑے گا۔ یہ تصور کہ اب پاکستان کی باری ہے شاید زیادہ صحیح نہ ہو۔ اوباما کے چیلنج پر پاکستان کا ردعمل سخت ہے اور شاید امریکہ فی الوقت اس موقف میں نہیں ہے کہ اس سے تعلقات بگاڑ لے۔ پاک چین مرکز بننے سے کیا ہند امریکہ محاذ آرائی کو تقویت نہیں ملے گی؟ جب پاکستان نے امریکہ کے بجائے دوسرے ذرائع کا ذکر کرکے اپنی خارجہ پالیسی میں نئی تبدیلی کا اظہار کیا تو ناٹو سمیت امریکی ذمہ دار بھی اسلام آباد پہنچے۔ بارک اوبامانے رچرڈ ہالبروک کو پاک وافغان کے لیے اپنا خصوصی سفیر نامزد کرنے کے بعد اس علاقے کو سب سے زیادہ شورش زدہ علاقے کہا لیکن ہالبروک نے توازن قائم رکھتے ہوئے پاکستان اور اس کے سرحدی علاقوں کو الگ الگ بتاکر پاکستانی حکومت کو مصالحت کی پیشکش کی ہے۔

ناٹو اور امریکی افواج کی سپلائی لائین درہ خیبر سے گزرتی ہے اور پاکستان خوب جانتا ہے کہ اس کے بغیر افغانستان کی لڑائی لڑی نہیں جاسکتی اس کمزوری کو ختم کرنے کے لیے گوکہ افغانستان کے مغرب یعنی روس سے آزاد ہونے والی ریاستوں سے سپلائی کا معاہدہ ہو چکا ہے لیکن وہ مہنگا ثابت ہوگا۔ پاکستانی امداد کو دہشت گردی کے خلاف جنگ سے جوڑ کر اوبامانے پاکستان کو معاشی دھمکی ضرور دی ہے لیکن اس کی کامیابی کی امید کتنی ہے؟

ممبئی حملہ کے بعد ہند و پاک رشتوں میں کشیدگی پیدا کرنے کا مقصد ظاہر ہے کہ بین الاقوامی سطح پر پاکستان پر دباؤ بڑھا کر ہند امریکہ اتحاد کو قوت بخشنا تھا۔ اب جب کہ پاکستان نے چین کو مکمل اختیار دے دیا ہے کہ اس معاملے میں ہندوستان سے بات کرے کیا پاک چین مرکز بننے کی مثال نہیں ہے؟ گوکہ ہندوستان چین کی مداخلت پسند نہیں کرے گا لیکن اس کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ امریکی مداخلت کو تو پسند کرتا ہے لیکن چین کی مداخلت کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر جواز کے طور پر ہند و امریکہ نیوکلیئر معاہدہ آئے تو کیا پاکستان بھی پاک چین معاہدے کو سامنے لائے گا؟ برصغیر کی بگڑتی یہ صورتحال اطمینان بخش نہیں ہے۔ امریکہ بھی چاہتا ہے کہ ممبئی حملوں کی تفتیش ہند و پاک دونوں مل کر کریں۔ کیا یہ اقدام ممکن ہے؟ دہشت گردی کے بدلتے ہوئے معنوں میں اوباما کے افتتاحی تقریر یقیناً عالمی سطح پر ایک امید ضرور جگاتی ہے۔ مشرق وسطی اور پاک افغان کے لیے خصوصی سفیروں کی نامزدگی بتاتی ہے کہ اوباما امریکی پالیسی کو فوجی اقدامات سے ہٹا کر سیاسی وسفارتی اقدامات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں تاکہ امریکہ اور عالمی معیشت کو سنبھالا جاسکے۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیبت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

مسابقہ مقالہ نویسی ۲۰۰۹ء

گروپ A اساتذہ/علماء/دانشوران/محققین
موضوع: عصر حاضر کے مسائل اور قرآنی تعلیمات
پہلا انعام -/10,000 دوسرا انعام -/8000 تیسرا انعام -/6000

گروپ B طلبہ مدارس وعصری جامعات
موضوع: خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات
پہلا انعام -/5000 دوسرا انعام -/4000 تیسرا انعام -/3000
دو تشجیعی انعام -/1000

اصول وشرائط
☆ خواہش مند حضرات ۱۵ر مارچ ۲۰۰۹ء تک رجسٹریشن کرالیں، اس کے لیے صرف اطلاع دینا کافی ہے۔
☆ مقالہ جمع کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ر جولائی ۲۰۰۹ء ہے۔
☆ طلبہ کے لیے مقالہ کے ساتھ ادارہ سے وابستگی کا تصدیق نامہ پیش کرنا ضروری ہے۔
☆ اردو، انگریزی یا ہندی زبان میں مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔
☆ گروپ A کا مقالہ A4 سائز کے کم از کم ۳۰ صفحات اور گروپ B کا مقالہ کم از کم ۲۰ صفحات پر مشتمل ہونا چاہیے۔
☆ مقالہ قرآنی آیات سے بھرپور استدلال کے ساتھ قدیم تحریری وتحقیقی مصادر کے حوالہ وتجزیہ پر مشتمل ہونا چاہیے۔

مزید تفصیلات کے لیے رجوع کریں:
ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، شبلی باغ، علی گڑھ (یوپی) ۲۰۲۰۰۲
ای میل zilli@rediffmail.com/ ashhadjnadvi@rediffmail.com
Mob: 9412671962, 9410426675

دلت مسئلہ: جڑ میں کون؟
दलित समस्या जड़ में कौन?

وشو ہندو پریشد کے رہنما اشوک سنگھل کا الزام ہے کہ:
''دلت سمسیا اسلامی حملہ آوروں کی پیداوار ہے'' اور
''چھوت چھات اسلام کی دین ہے''

اس کتاب میں مصنف نے امت مسلمہ ہند کی جانب سے فرض کفایہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے ''دلت سمسیا: جڑ میں کون؟'' مرتب کرکے غلط فہمیاں پھیلانے والوں کا بھرپور جواب دیا، ہندوستان میں دلت سمسیا پیدا کرنے کے حقیقی ذمہ داروں کو بے نقاب کیا، اور ان سے ۲۳ چبھتے ہوئے سوالات کئے جو ہنوز جواب کے منتظر ہیں! کتاب میں اس حق کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ دلت سمسیا کا حقیقی حل کل بھی اسلام تھا اور آج بھی اسلام ہی ہے۔

دلتوں کے مسائل وحقوق، درد واضطراب، اُن پر ظلم وستم اور ان کے ردعمل کو مربوط طور پر پیش کرنے والی عظیم ہندی تخلیق دلت سمسیا: جڑ میں کون؟ ضرور پڑھیے، تاکہ عصری فتنوں سے آگاہی بھی رہے اور اس کے سدباب کی صورتوں پر غور بھی کرسکیں، دلت دوستوں اور ملاقاتیوں کو پیش کرنے کے لئے بہترین تحفہ۔ اہل قلم، دانشوروں، ممتاز شخصیات اور اخبارات ورسائل نے کتاب کا گرم جوشانہ استقبال کیا۔

مصنف: انتظار نعیم

☆ ہندی ایڈیشن -/Rs.100 ☆ اردو ایڈیشن -/Rs.140

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 فون 26953327, 26925156 فیکس 23276741

جامعۃ الصّفۃ ورنگل

دعوت دین واقامت دین کے لئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ! جامعۃ الصفہ ورنگل اپنا پانچواں تعلیمی سال مکمل کرکے چھٹے سال کا سفر طے کررہا ہے اور اپنے طے کردہ مقاصد کے تحت پیش قدمی کررہا ہے۔ پانچ سال کی مختصر سی مدت میں بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دو سالوں میں ۱۰ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور امسال اللہ کے فضل وکرم سے مزید ۱۲ طلباء حفظ قرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔

جامعہ کا شعبہ عالمیت

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں عربی اول تا چہارم جماعتیں قائم ہیں جس میں تشنگان علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں منصبی کردار ادا کرسکیں۔ جامعہ میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی کردار سازی اور اسلامی فکر کی پختگی پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ جامعہ میں اس وقت ۱۴۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں ان کی تعلیم، رہائش وطعام کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی سے مکمل کئے جاتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الحمدللہ! طلباء کو تلگو وانگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دیا جاسکے۔

شعبہ تدریب ائمہ

جامعۃ الصفہ ورنگل میں اس سال تدریب ائمہ کا دو سالہ کورس شروع کیا جارہا ہے جس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے گا جو کم از کم آٹھویں جماعت کامیاب ہوں نیز جو اُردو یا تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور بالخصوص دیہات کے رہنے والے ہوں۔ ان طلباء کو دوران تعلیم ماہانہ فی کس ایک ہزار روپے تعلیمی وظیفہ دیا جائے گا تاکہ طلباء اور اولیاء طلباء کو یکسوئی ہو اور طلباء دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں اور ان طلباء کے قیام وطعام کی ذمہ داری جامعہ پر ہوگی۔ ہر طالب علم پر ماہانہ ڈھائی ہزار روپیوں کا خرچ ہوگا (Rs.2,500/-) ادارہ اس سال ۲۰ طلباء کو تدریب ائمہ کے لئے داخلہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ تدریب ائمہ کے دو سالہ کورس کے دوران ان منتخب طلباء کو امامت اور خطابت کے اصول قرآن، حدیث وفقہ کے علم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے گا۔ اس دو سالہ کورس کی تکمیل کے بعد دیہاتوں میں ان طلباء کی خدمات سے استفادہ کیا جائے گا۔

محترم بھائی! آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ قادیانیت اور عیسائیت کے مبلغین مختلف طریقوں سے دیہات کے بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کو مالی رغبت دلاکر مرتد بنانے کی کوشش کررہے ہیں اور گاہے گاہے انہیں کامیابی بھی حاصل ہورہی ہے جب کہ شہروں میں رہنے والے مسلمان، صاحب ثروت اور اہل علم حضرات اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دے پارہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں فتنے امت مسلمہ کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کو جہاں مختلف پہلوؤں سے کام انجام دینا ہے وہیں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بالخصوص ائمہ مساجد کو بھی تیار کرنا ہے جو دینی تڑپ رکھتے ہوں اور شہروں سے دور دیہاتی پس منظر میں کام کے لئے آمادہ ہوں۔ جامعۃ الصفہ نے ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت اس اہم کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے جس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے اس خصوص میں اہل خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب آگے آئیں اور ان طلباء کی کفالت کی ذمہ دار سنبھالیں۔ جامعۃ الصفہ اس اہم پراجکٹ کو اللہ کے فضل وکرم اور خیر خواہان دین وملت کے تعاون سے انجام دے گا۔ انشاء اللہ۔

تعاون کی شکلیں ☆ طلباء کی کفالت: تدریب ائمہ کے لئے فی طالب علم سالانہ -/30,000 روپے شعبہ حفظ کے لئے سالانہ -/10,000 روپے فی طالب علم ☆ شعبہ عالمیت کے لئے سالانہ -/12,000 فی طالب علم (مدت پانچ سال) ☆ اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں ماہانہ =/48,000 روپے ☆ تعمیری کام اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے۔ **نوٹ**: جامعہ اپنے خیر خواہوں کو ابھی تک بارہ لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے اس خصوص میں تعاون کی درخواست ہے۔

سرپرست جامعہ: حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ، امیر جماعت اسلامی ہند

JAMIA-TUS-SUFFAH
Deshaipet Road, Warangal, A.P. India

ناظم جامعہ: محمد خواجہ عارف الدین

Phone: +91-870-2424576, Cell:+91-9849004547 A/c No. 444351498 Indian Bank Mandi Bazar, Warangal A.P. INDIA

جدید طرز پر کاروباری معلومات فراہم کرنے والا
رہبر صنعت وتجارت
اشاعت کے چھبیس (26) سال
خالص کاروبار پر مشتمل اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں

★ چھوٹے پیمانے کی کاروباری اسکیمیں ★ گھریلو پیمانے پر تیار ہونے والی مصنوعات کے فارمولے، بنانے کے طریقے، مشنریز وخام مالوں کی تفصیلی جانکاری ★ خواتین کے لئے پردے میں رہتے ہوئے گھریلو ہنر وکام کاج ★ حکومت کی جانب سے چھوٹی صنعتوں کے لئے مراعات ★ دانشوران صنعت وتجارت کے مضامین اور بہت کچھ۔

فی شمارہ /15 روپے | سالانہ /150 روپے

ادارہ کی جانب سے مختلف انڈسٹریز پر کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں
RAHBAR-E-SANAT-O-TEJARAT
24,C BRIGHT STREET, KOLKATA-700017
PH.: 033-22806152, MOB.: 09331001824

مئو کا بنا تیز اثر دار **افضلس** نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS
اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں
بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹیڈ
● برنشڈ بف کاف ● فیشن ایبل لیدرز ● اَئیل پُل اَپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نوبک ● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شوانڈ بوٹ اَپرز
SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170,JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

نقوشِ تربیت

تصنیف: الشیخ مصطفیٰ محمد طحان
ترجمہ: مولانا تنویر آفاقی

غار والوں کا قصہ، جاہل راہب اور عالم کا قصہ، اصحاب اخدود کا قصہ، کتے کو پانی پلانا جنت کی ضمانت بنا، یہ متعفن لاشیں ہیں، غزوۂ بدر کے کمانڈر، بغاوت، نفاق اور حب دنیا، دعوتی مشن کا کردار، محبت کے بغیر تربیت ممکن نہیں، حضرت عمرؓ کا عدل وانصاف، خلیفۂ وقت کو نصیحت، پاک دامنی کی حفاظت، عیب پوشی، عربی وعجمی اور وہ خاتون جس کی شکایت اللہ نے آسمان میں سنی جیسے درجنوں عناوین کے تحت اسلامی وتاریخی واقعات کی روشنی میں اصلاح وتربیت کا ایک موثر اور قابلِ عمل مرقع ـــــ مشہور عرب عالم ومصنف الشیخ مصطفیٰ محمد طحان کی مقبول عام عربی کتاب 'معالم تربویۃ' کا سہل آسان اور عام فہم اردو ترجمہ۔

سائز: ۲۳x۳۶/۱۶ ● صفحات: ۲۱۶ ● قیمت: -/Rs.70

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵
Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net